ادائے اظہار کی تمنا
ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی

محترم سلیم سالک کے حوالے
نذرانۂ شعر عظمیٰ میں اشاعت مسلسل کے
لئے!
حمید نسیم
12/11/07

ادائے اظہار کی تمنا

ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی

آمنہ صائم پبلی کیشنز، لسجن سرینگر

مصنف: ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی

نام کتاب: ادائے اظہار کی تمنا

قیمت: 250روپے

پہلا ایڈیشن ۲۰۰۲

کمپوزنگ ضمیر احمد

ملنے کا پتہ

☆ آمنہ صائم پبلی کیشنز، لسجن سرینگر

☆ امکس بکس، نگین سرینگر

☆ پبلک بک ڈیپو سوپور

☆ اشرف بک سنٹر، مائسمہ بازار، سرینگر

انتساب

جناب غلام رسول آگاہ سوپوری کے نام۔ جنہوں نے
دوآبگاہ ہائی اسکول میں پہلی بار مجھے اپنی شاعرانہ طبیعت کی
نارسائی سے واقف کرایا۔

(حمید نسیم رفیع آبادی)

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

اپنی بات

مجھے یہ یاد نہیں کہ پہلا شعر کب لکھا اور کس کو سنایا۔ لیکن یہ یاد ہے کہ جب میں نویں جماعت کا طالب علم تھا تو ہمارے ایک استاد جناب غلام رسول آگاہ سوپوری بلا ناغہ میری رف کاپی ضرور دیکھتے اور اس میں میرے لکھے ہوئے ٹیڑھے میڑھے شعر کلاس کے بلیک بورڈ پر لکھتے اور بھرے کلاس میں اُن کے حُسن وقبح پر تبصرہ فرماتے۔ تاہم اکثر اوقات آگاہ سوپوری صاحب میرے اشعار کو غیر معیاری یا غیر موزون قرار دیکر رد فرماتے۔ جب میں میٹرک کے دوران دوآبگاہ رفیع آباد کے ایک استاد جناب عبدالغنی کہورو صاحب کے پاس بغرض ٹیوشن جایا کرتا تھا تو بعض اوقات ہم لوگ اردو شاعری کا تذکرہ کرتے اور باتوں باتوں میں، میں اپنے نیم پختہ اور جذبات سے پُر اشعار سناتا۔ عبدالغنی صاحب کو شاعری کا دعویٰ تھا اور اپنا تخلص نسیم قرار دے رکھا تھا۔ ایک بار استاد اور شاگرد کے درمیان اس بات پر مقابلہ ہوا کہ دونوں میں جو اپنا شعر سنائے اور وہ شعر موزون بھی ہو، اس کو نسیم کا تخلص انعام میں ملے گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سرینگر کے علی محمد

صاحب، جو عبدالغنی صاحب کے برادرِ نسبتی اور میرے ہم درس تھے، کو جج مقرر کیا گیا۔ چنانچہ مقابلے میں، میں نے جو اشعار سنائے ان کو میرے ذاتی اشعار اور عبدالغنی صاحب کے بیان کردہ اشعار کو مستعار پایا گیا۔ تب سے میں نے اپنے نام کے ساتھ نسیم کا تخلص ملا دیا اور کچھ عرصے تک حمید نسیم کے نام سے مضامین لکھا کرتا یا شاعری کرتا۔ مگر ایک دن ریڈیو پاکستان کے صبح کے دینی پروگرام میں کسی حمید نسیم[1] کی بات چیت سننے کا اتفاق ہوا اور مجھے احساس ہوا کہ میرے لئے صرف حمید نسیم لکھنا کافی نہیں۔ کیونکہ مجھے اپنی انفرادیت ہمیشہ پسند رہی اور میں کچھ ایسا کر کے دکھانا چاہتا تھا جو صرف میرے نام کے ساتھ مخصوص ہو، اور کوئی دوسرا اس میں میرا شریک کار نہ ہو! چنانچہ اس دن کے بعد سے میں نے اپنے نام کے ساتھ نسیم کشمیری لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد نہ جانے کب اور کیوں میں نے نسیم کشمیری کے بجائے نسیم رفیع آبادی کا تخلص اختیار کیا۔ تاہم اس کے بعد میں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور اپنا سفر جاری رکھا۔

کالج میں، میں نے عربی اور اُردو مضامین منتخب کئے۔ پروفیسر محمد فاروق بخاری مرحوم میرے عربی کے استاد تھے اور آپ سے جو فیض مجھے ملا، اس کا میں معترف عمر بھر رہوں گا۔ آپ کے علمی اور ادبی ذوق اور نفاست پسندی کا محسوس اور غیر محسوس اثر میرے نثر اور شاعری دونوں پر پڑا۔ مشعلؔ سلطان پوری میرے

---

[1] یہ پاکستان کے مشہور شاعر اور مفسر قرآن تھے۔ انہوں نے ''تعارف الفرقان'' کے نام سے بڑی عمدہ تفسیر تحریر فرمائی ہے اور اس کے علاوہ ''پانچ جدید شاعر''، ''کچھ اور اہم شاعر'' جیسی کتابیں لکھیں۔ چند سال پہلے ان کا انتقال ہوا۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ آمین۔ (ح ن ر)

اردو کے استاد تھے۔ موصوف کو کئی بار میں نے اپنے اشعار سنائے، مگر ہر بار اور بار بار موصوف کا مشورہ مجھے یہی ہوا کرتا تھا کہ میں شاعری کے بجائے نثر نگاری پر توجہ مرکوز کروں۔ وہ اگر چہ میری نثری صلاحیت کے معترف تھے مگر مجھے شعرو شاعری کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں سمجھتے تھے۔ مگر میں نے اُن کے مشورے کے برعکس نثر کے ساتھ ساتھ شعروسخن کا دامن پکڑے رکھا اور کچھ نہ کچھ لکھتا رہا۔ البتہ میں مشاعروں میں شرکت کرنے سے گریز کرتا رہا اور اپنے کلام کو کہیں اشاعت کے لئے بھیجنے کا روادار بھی نہیں تھا۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں حصولِ تعلیم کے دوران مجھے کچھ ایسے رفقاء اور اساتذہ ملے جنہوں نے میرے ذوقِ تحقیق کے علاوہ شاعرانہ حِس کو بھی مہمیز لگائی۔ ان میں سرفہرست میرے فلسفے کے محترم اُستاد اور مشہور نقاد پروفیسر سید وحید اختر مرحوم، پروفیسر تقی امینیؒ ہیں۔ اس کے علاوہ شمس بدایونی، شہسپر رسول، ڈاکٹر معظم علی خان، منیب الرحمٰن، انجم نعیم، ڈاکٹر شارق عقیل، ثناء اللہ پرواز اور ڈاکٹر حیات عامر اور جواہر لعل یونیورسٹی میں ڈاکٹر رمن ہتکاری، نناجی ہانگلو، ڈاکٹر سید جمال الدین، ڈاکٹر بیاض ہاشمی، ڈاکٹر اطہر فاروقی جیسے رفقاء عزیز نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کی اور میرے اشعار کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور بعض اوقات مفید مطلب مشورے بھی دیئے۔ حسن امام اور ڈاکٹر غلام محمد آجر کو میں خصوصیت کے ساتھ یاد کرنا چاہوں گا کہ ان دوستوں نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں میرے قیام کے دوران میرے اشعار کی

نوک پلک درست کرنے کے علاوہ مجھے ہمیشہ اپنی حوصلہ افزائی سے نوازا۔ یہاں اگر میں پروفیسر محمد حسن، جناب رفعت سروشؔ اور پروفیسر اشفاق اللہ خان کا ذکرِ خیر نہ کروں تو بڑی ناسپاسی ہوگی۔ یہ تینوں بزرگ میرے اُردو صحافت کے ڈپلوما کے دوران جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں میرے اساتذہ میں شامل تھے اور مجھے رفعت سروشؔ اور پروفیسر اشفاق اللہ صاحب کے سامنے اپنے بعض اشعار پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ جن کو پسند بھی کیا گیا۔

کشمیر یونیورسٹی میں جب ۱۹۸۹ء میں میرا تقرّر ہوا تو کشمیر کی حالت دگرگوں تھی۔ یہاں کے پُر پیچ حالات نے مجھے تنہائی، بیگانگی اور بے چارگی کے احساس سے دوچار کر دیا اور بقول افتخار اماؔم

بے بسی بے چارگی بے چہرہ گی
گھر گئے ہیں ہم کیسے آزاروں کے بیچ!

ان حالات میں نسیم باغ، یونیورسٹی کیمپس میں رہائش اور دور و نزدیک سے ابھرنے والی آہوں، چیخ و پکار اور درد و الم کے مناظر کی بھرمار نے میری شاعرانہ حسیّت (Sensibility) کو بڑا متاثر کیا۔ اور میں نے اکثر غزلیں اور نظمیں اسی زمانے میں لکھیں۔ پھر ڈاکٹر بشیر احمد نحوی، ڈاکٹر نیاز مند، ڈاکٹر افضل قادری، ڈاکٹر رفیق مسعودی، رفیق راز، عبدالرشید بٹ، غلام حسن گورکھو، ڈاکٹر فرید پربتی، ڈاکٹر مجید مضمر، پروفیسر امین اندرابی مرحوم، محمد عبداللہ خاور، ڈاکٹر قدوس جاوید، مشتاق احمد گنائی، حکیم منظور، پروفیسر مرغوب بانہالی، مشتاق راتھر، پروفیسر ظہور

الدین، ڈاکٹر ضیاء الدین، پروفیسر عبدالمجید متو، پروفیسر محمد زمان آزردہ، پروفیسر نذیر ملک اور مرتضٰی شبلی جیسے قدردانوں نے ہمیشہ حوصلہ بڑھایا۔ چنانچہ کشمیر یونیورسٹی کے سالنامہ ''گلالہ'' میں میری غزلیں اور نظمیں متواتر چھپتی رہیں۔ اس سے پہلے پروفیسر نذیر احمد شیخ صاحب نے بارہمولہ کے کالج میگزین ''ورمُل'' میں میری ایک غزل ؎

برفیلی ہوائیں ہیں، برفیلی فضائیں ہیں

اک ہم ہیں ستم دیدہ، اس پر یہ ادائیں ہیں

چھپوائی۔ حال ہی میں پروفیسر حامدی کاشمیری نے میری دو غزلیں اپنے جریدے ''جہات'' میں چھپوائیں۔

اس طرح میری شاعری کا قافلہ کبھی مدھم اور کبھی تیز گام چلتا رہا۔ ماضی کی پرچھائیوں اور مستقبل کی امید کی جلو میں چلنے والا یہ قافلہ حال کی بدحالیوں کا چشم دید گواہ رہا ہے۔ کبھی غم واندوہ کا سیلاب بلا اور کبھی خوشی وانبساط کا طوفانی ریلہ اس قافلہ کا استقبال کرتا رہا۔ آنسوؤں کے نہ ختم ہونے والے سلسلوں نے اوروں کی طرح مجھے بھی متاثر کیا ہے۔ میں بھی انسان ہوں اور انسانوں کی طرح ہمیشہ میرا دل دھڑکتا رہا ہے۔ میری روح تڑپتی رہی ہے۔ اس ''تربیت گاہِ غم'' میں سال ہا سال مقیم رہنے کی بدولت میری شاعری میں ان ہی کچلتے ہوئے انسانی جذبات کا اظہار بھی مختلف پیرائیوں میں ہوا ہے۔

پروفیسر سید شبیب رضوی صاحب مدظلہ العالی کا میں باقاعدہ شاگرد رہا

ہوں۔ موصوف نے میرے اشعار کو اپنے عالمانہ اور فاضلانہ تبحّر اور شاعرانہ کمال سے مس کیا ہے اور مجھے اپنے سامنے زانوئے تلمذّ تہہ کرنے کا شرف بخشا۔ میں نے جب اپنا کلام ان کو اصلاح کے لئے دیا تو موصوف نے بڑی توجہ اور کمالِ محبت سے اس کو اس لائق بنا دیا کہ میرے دل میں اس کی اشاعت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس مجموعۂ کلام میں جو خوبیاں ہیں وہ موصوف کی اصلاح کی وجہ سے ہیں اور جو خامیاں رہ گئی ہیں ان کا ذمہ دار یہ احقر قرار پائے گا۔ اس کے علاوہ موصوف نے پیش لفظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کا سایۂ عاطفت بہت دیر تک قائم رہے۔ تا کہ ہم ایسے تلامذہ ان کی تربیت سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ آمین۔!

حال ہی میں، بمبئی سے واپسی پر اُردو زبان کے مشہور شاعری ماہنامہ ''شاعر'' کے مدیرِ اعلیٰ، سیماب اکبر آبادی کے پوتے اور فنی وارث جناب افتخار امام صدیقی صاحب سے ریل میں ایک اتفاقیہ ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات بے تکلفّی کے ماحول میں بدل گئی اور موصوف کو میں نے اپنی غزلیں اور نظمیں دکھائیں اور بہت سے اشعار زبانی بھی سنائے۔ موصوف نے کافی مفید مشورے عنایت فرمائے اور ازراہِ محبت میری شاعری پر اس مختصر سفر کے دوران ہی ایک تبصرہ بھی تحریر فرمایا، جو موصوف محترم کے کمالِ تواضع کی روشن دلیل ہے اور جس کے لئے میں موصوف کا ممنون و مشکور ہوں۔ اگر مجھے اپنے ان کرم فرماؤں اور عزیزوں کا اخلاقی و فنی تعاون اسی طرح شامل حال رہا تو آئندہ بھی انشاء اللہ کچھ

نہ کچھ ادبی کاوشیں جاری رکھنے کی کوشش کروں گا۔

یہاں یہ بات میں کہنا چاہوں گا کہ شاعری کے سلسلے میں علاّمہ اقبالؒ، غالبؔ، فیض احمد فیضؔ اور ناصر کاظمی کو میں پسند کرتا ہوں۔ اگرچہ میں نے شاعری کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ البتہ اقبالؒ کا فلسفہ اور اُن کی شاعری بچپن سے ہی میری دلچسپی رہی ہے۔ فیض احمد فیضؔ کی انقلاب پرور روحانیت اور رومان پرور انقلابیت نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی متوجہ کرنا شروع کیا۔ اگرچہ ان کی اشتراکی سوچ نے مجھے کبھی بھی اور کسی طرح بھی، متاثر نہیں کیا۔ غالبؔ کو اگرچہ بی۔ اے کے دوران کسی حد تک پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر چند سال قبل پروفیسر ظہور الدین نے جب مجھے غالبؔ پر ہونیوالے قومی سیمنار میں دعوت بھجوائی تو مجھے گہرائی کے ساتھ ''اس ملامتی صوفی'' کو پڑھنے کا موقعہ ملا۔ نتیجتاً میں نے ایک طویل مقالہ ''غالبؔ کے ماحولیات شعور'' پر تیار کیا۔ جو اُردو شعبہ جموں کے رسالے ''تسلسل'' میں اشاعت پذیر بھی ہوا۔ ناصر کاظمی کی غزلوں کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اور اُن کے فلسفۂ غم اور ''شب پروری'' کا مداح ہوں۔

جہاں تک کتاب کے نام کا تعلق ہے۔ تو میں نے اس کے لئے ایک نعت کے شعر کو منتخب کیا اور وہ بھی بہت کاوش اور ذہنی کشمکش کے بعد۔ اگرچہ مجھے اپنی پارسائی کا کبھی دعویٰ نہیں رہا ہے مگر جب میں غور سے دیکھتا ہوں تو ''بادہ و ساگر'' کے پیرائے میں گفتگو کرنے کے باوجود کہیں نہ کہیں محبوبِ حقیقی اور محبوبِ حقیقی کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کے لائق اپنی زبان کو

بتانے کے لئے یہ تمام اسلوب ذرائع یا مشق وتمرین کے مراحل نظر آتے ہیں۔ وہ ادا حاصل کرنا، تاکہ اظہار کا یارا ہو، اس تمنا کی تربیت کرنا جو اظہار کے صحیح پیرائیہ کا پیش خیمہ ہو۔ میرے خیال میں ہر مسلمان، شاعر، قلمکار، صحافی اور دانشور کا وظیفہ حیات ہی اس ''ادائے اظہار'' کی صلاحیت حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اپنے عظیم پیغمبر، محسن انسانیت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کے لائق نعت لکھنے کے قابل ہوسکے۔ میں نے اگرچہ ہر طرح کے موضوعات پر لکھا ہے۔ مگر میں اپنی پوری شاعرانہ اور دانشورانہ تگ ودو کو اس کے لائق بننے کے لئے پیش خیمہ کی صورت میں دیکھتا ہوں۔ اس ''ادائے اظہار کی تمنّا'' میں زندگی گزارنا اور مدینے کی گلیوں میں گھومنے کے لائق بننا اور مکہ کی صحرانوردی کا مستحق ہونا ہی میرا مقصد شاعری اور مقصودِ حیات ہے۔ میں نے صرف چند نعتیں لکھی ہیں، مگر میری شاعری معبودِ حقیقی کے محبوبِ حقیقی کے در پر درود وسلام کا نذرانہ گزارنے کے لائق ہوجائے، یہی میرے ان بے ترتیب نالوں اور بے ہنگم آہوں کا مدعا و منتہیٰ ہے۔ اگر مجھے یہ حاصل ہوجائے پھر میری زندگی کا مقصد پورا ہوا۔ ورنہ میرے ''ادائے اظہار کی تمنا'' ہر بار اور بار باران ہی نالوں میں دب کردہ جائے گی ؎

نسیم نالوں میں دب نہ جائے
ادائے اظہار کی تمنا!

چنانچہ اگرچہ مجھے اپنے اس پہلے مجموعۂ کلام کے سلسلے میں بہت سارے عنوانات سوجھے تھے، مگر میرے دل ودماغ کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ الا الذین آمنوا و

عملوا الصّٰلحت اور واذکروا اللہ کثیرا کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے میں ایسا عنوان تجویز کروں جو میرے ضمیر کی تسکین کا باعث ہو اور میری مغفرت کا باعث اور شفاعت نبویؐ کا موجب۔ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

خاکسار

حمید نسیم رفیع آبادی

لسجن سرینگر، ۸ فروری ۲۰۰۲ء

پیش لفظ

یہ یاد نہیں کہ ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی سے کب اور کہاں تعارف ہوا تھا۔ البتہ اِدھر چند برسوں میں شہر کی مختلف ادبی اور دینی تقریبات میں بار بار اُن سے ملاقات ہوئی۔ مزاج پرسی اور خیر و عافیت سے لیکر مصروفیات و مشاغل تک کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن کبھی کسی انداز سے یہ سراغ نہ لگ سکا کہ وہ شاعر بھی ہیں۔ چہرے بُشرے سے بھی اتنے شریف ہیں کہ شعر کہنے کے مرتکب ہونے کا گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا۔

ایک دن کسی ادبی مجلس کے بعد اچانک گُل افشانئ گفتار روکتے ہوئے انہوں نے اپنی غزلوں اور نظموں کے مجموعہ کا یوں ذکر کیا جیسے اقبالِ جرم کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے ''اگر آپ کو فرصت ہو تو سرسری طور پر دیکھ لیجئے، مجھے یقین ہے کہ زبان و بیان کی بہت سی خامیاں ہوں گی''۔ چند روز کے بعد مجموعہ کلام آ گیا۔ ورق گردانی شروع کی تو ٹیڑھی میڑھی تحریر نے دل پر اچھا اثر نہیں ڈالا۔ البتہ اُن کی ایک غزل کے ایک شعر نے اپنی گرفت میں لیکر مجھے تڑپنے پر مجبور کر دیا۔ وہ تھا:ؔ

مری نظر میں چراغاں بجھا دو منظر کا
تڑپ رہا ہوں میں اک جلوۂ دروں کے لئے

شعر کئی بار پڑھا اور کئی سمتوں سے معانی و مفاہیم کی روشنی آتی ہوئی دیکھی۔
پھر گویا نہ آفتاب بچا نہ ماہتاب کی چاندنی اچھی لگی، دنیا بھر کے تمام جام تڑک
بھڑک ایک ذرّہ مردہ محسوس ہونے لگے۔ اور تب یہ حقیقت بھی واشگاف
ہوئی کہ ڈاکٹر حمید نسیم منظر پہ ابھرنے والے چراغاں سے پسِ منظر کے متلاشی
ہیں اور کائنات سے ماوراء ذات کی پہنائیوں کو ہی اپنا ملجاء و ماوا بنانے کی
خواہش رکھتے ہیں۔

پھر میں کچھ اور دلچسپی کے ساتھ متوجہ ہوا تو بڑی خوش کن اور دلچسپ
حیرانگی بڑھی کہ وہ اپنے درُون میں بھی بیرون کی پوری قیامت سموئے
ہوئے ہیں۔ یہ کمال اُن کی غزلوں میں بھی ہے اور نظموں میں بھی۔ بلکہ
نظموں میں کچھ زیادہ ہی۔

ان کی غزلیں پڑھتے وقت میرا دھیان زیادہ تر ان کے زبان و بیان
اور صحتِ الفاظ ہی کی طرف رہا۔ اس لئے ندرتِ خیال، معنی آفرینی اور
پیرایۂ اظہار پر توجہ دینا میں نے اپنے حدِ اختیار سے باہر سمجھا۔ البتہ اس سے
بے خبر نہیں رہا کہ غزل کی تہذیبی سیاق و سباق میں عصری زندگی کے احوال و
کوائف کو وہ بڑی گیرائی اور تنوع کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

چند شعر دیکھئے:

دل کی بستی میں روز شام ڈھلے
ہوتا رہتا ہے صبح کا ماتم

جوان ہم ہوئے پُرکھوں کی شان کے بَل پر
نئ حویلی میں لگ جائے جیسے بابِ کہن

وہ خواب پھر دکھادے جو کچھ دیر کے لئے
لے کر گیا تھا مجھ کو غمِ دو جہاں سے دُور

اہلِ خرد بھی دشت میں آئے
اہلِ جنوں کا وار بھی دیکھ

آج پھر جشن منایا جائے
سوئی یادوں کو جگایا جائے
رنگ و نور اپنی نظر کا دے کر
اس دریچے کو سجایا جائے

راہِ خودی میں رہ گیا ہر نقش ناتمام
اِس بے خودی کا، کوئی تو دے گا صلہ ہمیں

ستارہ دُور تھا کھڑا تماشا بین کی طرح
وہاں ہوں آج میں کھڑا جہاں تھا وہ صنم کبھی

فرقِ آب و سراب کون کرے
آب بھی ہے سراب کے مانند

بیت رہا ہے گلوں کا موسم آہوں کے طوفانوں میں
کس کے ہاتھوں خون میں غلطاں اب یہ گلستان اپنا ہے

عجیب شہر ہے اور لوگ بھی عجب ہیں یہاں
کہ جیتے رہتے ہیں دن رات قتل و خون کے لئے

مری نظر میں چراغاں بجھادو منظر کا
تڑپ رہا ہوں میں اک جلوۂ درُوں کے لئے

وہی تلاش کا عالم وہی زوالِ یقین
جنوں نے ساتھ نہ چھوڑا کسی ڈگر پہ نسیم

پھر کوئی یاد، کوئی خلش دل کے آس پاس
مدت کے بعد پھر کوئی مہمان آ گیا

بدل چکے ہیں مفاہیم حُسن کچھ اتنے
کہ میری فکر و نظر موڑ کر گیا کوئی

نظموں کا یہ رویہ بھی غزلوں سے کچھ الگ نہیں، البتہ چونکہ اس کا تناظر زیادہ سنجیدہ اور کینوس بڑے سائز کا ہوتا ہے اس لئے نسیم اپنی بات بڑی تفصیل اور وضاحت سے کہہ لیتے ہیں اور اسلوب و انداز میں بھی تبدیلی کرتے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں دھیمے سُروں کی بات اچانک وہ اونچی آواز میں کہتے نظر آتے ہیں۔ اِتنی آزادی اور اتنا تنوع تو نظموں میں ہوتا ہی ہے پھر وہ کیوں نہ نوع بہ نوع خیالات اور مضامین کو رنگا رنگی کے ساتھ پیش کریں۔ اُن کے یہاں یہ روِش ملتی ہے اور خوب ملتی ہے۔

''جُدائی'' ان کی ایک ایسی نظم ہے جس میں حرماں، شکستِ آرزو اور ادھوری اُڑان کی بیچارگی ہے مگر مثبت انداز میں دل کو سمجھا کر تقریباً سُلا دینے والی بات بھی ہے۔

''وفا'' میں تلمیحات کے ذریعہ عشقِ دروں اور غم جاناں سے لے کر

اپنے عروج وزوال کی تاریخ بیان کرنے کی کوشش ہے۔

''شاعری'' میں لفظ وحرف اور معانی و مفاہیم کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ شعر کی تشکیل میں ان کے کیا حصے ہیں۔

''منزلِ زیست'' میں ایک نئے انداز میں زندگی برتنے کا عمل ہے

''سکونِ دل'' میں سکونِ دل اور سکونِ جاں کی الگ الگ تشریح، بالکل ایک نیا خیال ہے۔

''یادیں'' میں فلسفۂ عشق کی توجیہ بھی ہے اور کامیابی و ناکامی اور پھر نئی صبح کی اُمید بھی۔

میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی کا یہ مختصر سا مجموعہ کلام اس حیثیت سے ادبی حلقوں میں بہ نظرِ استحسان دیکھا جائے گا کہ یہ نقشِ اول، نقشِ ثانی کا خاکہ یا تمہید ہے۔ ان کے گلشنِ فکر میں ابھی نہ جانے کتنے گل شاداب اور کیسۂ ذہن میں کتنے درِ مکنون موجود ہوں گے۔ پھر یہ کہ دانشگاہِ کشمیر کے لطیف آب و ہوا اور شاداب فضا میں شعروں کی تخلیق کے لئے ہر قدم پر خام مواد کی دستیابی بھی کچھ دشوار نہ ہوگی۔

میں اُن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ فکر و ادب کے حوالے اور شعر و سخن کے تعلق سے اپنی سعیٔ پیہم کو مہمیز کرتے رہیں گے اور یہ دلکش سفر جاری رکھیں گے۔

سید شبیب رضوی

اندرون کاٹھی دروازہ سرینگر

حمید نسیم کی شاعری پر چند باتیں

ایک اتفاقیہ ریل سفر میں حمید نسیم کی شاعری پڑھنے اور سننے کا موقع ملا۔ اس شاعری کا تخلیقی ذہن عالمی فلسفوں، فلسفیوں اور عالمی مذاہب کے تقابلی مطالعے کا زائیدہ ہے۔ مختلف النوع عالمی فکر کے بے شمار چراغ ان کی روح کو منوّر کر رہے ہیں۔ وہ عالمی مفکر امام غزالیؒ کے فکری نظام میں سانس لیتے ہیں۔ امام غزالی کی شخصیت اور فلسفہ ان کا خاص موضوع ہے۔ جو بھی امام غزالی کے فکر محل میں مہمان ہوتا ہے تو خود اس کی اپنی شخصیت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ ابن رشد ایک مثال ہے۔

حمید نسیم نے نثر میں جو بھی تحقیقی کام کیا ہے، وہ غیر معمولی ہے اور اب وہ شاعری کی طرف آئے ہیں۔ ان کا اولین شعری مجموعہ ان کی فکر کے بُنتے ہوئے تانوں بانوں کا ایک تعارفی نقش ہے۔ غزل و نظم میں وہ ابھی اپنی سوچتی ہوئی خاموشی کے مراقبے میں گم ہونے کی سعی کر رہے ہیں۔ ان کی غزل کے بعض شعر ان کی اسی کیفیت کے غماز ہیں۔ ابھی وہ موزونیت اور عام سی لفظیات کے درمیان ہیں۔ جس دن ان کی فکر کا مراقبہ طویل ہو جائے گا ان کو اپنی لفظیات مل

جائیں گی، موزونیت کی موسیقی تخلیقی لفظوں کے ساتھ جو بھی نت نئی سنفنی بنائے گی وہ ایک مثال بن سکتی ہے۔ وہ اپنے تخلیقی سفر کی ابتداء میں ہیں۔ ابھی وہ اپنی روح کے مراقبے میں نووارد ہیں۔

عشق ان کی شاعری کی مرکزیت ہے۔ عشق نے ان کے دل کو اتنا نرم کر دیا ہے کہ فلسفیانہ موشگافیوں سے بھرا ہوا دماغ تخلیقی عمل میں دل کا تابع رہتا ہے اور وہ فلسفوں کو شعری فلسفہ نہیں بلکہ شاعری کے لئے خام مواد کے طور پر فلسفوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ ایک اچھی علامت ہے ورنہ شاعری بے روح اور بے رس ہو جاتی۔

غزل ایک ایسی ذہین صنفِ سخن ہے کہ تخلیق کار خود کو اس میں منکشف کر سکتا ہے اگر اس نے شعر گوئی میں زبردست ریاض کیا ہو۔ اچھے اور سچے شعر، ریاضت، مطالعہ، مشاہدوں اور تجربوں سے ممکن ہیں۔ دو مصرعوں میں ایک جہانِ معنی کو سمو دینا آسان نہیں ہے۔ شاعر کا عجزِ کلام اس کی اپنی بے بسی ہے۔ غزل تو سب کو میسّر ہے، سب کو مواقع دیتی ہے۔ حمید نسیم کو بھی غزل مواقع دے رہی ہے۔ انہیں اپنی شاعری کے موضوعات، اپنی شعری لغت اور اپنے شعری آہنگ پر توجہ دینی ہے تاکہ وہ اپنے تخلیقی عمل میں جست لگانے کا حوصلہ کر سکیں۔ ان کے ہاں اس کے امکانات ہیں۔ حالانکہ وہ ابھی عام لفظیات کی بھیڑ کا ایک حصہ بنے ہوئے ہیں۔ اس کا احساس بار بار ہوتا ہے لیکن لفظوں کی ایک عام سی بھیڑ سے وہ نکل آئیں گے۔ ایسا ہونا چاہیے کیوں کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ حالانکہ

صرف مطالعہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اس کا ہضم اور تخلیقی عمل کی غذا بھی بنانا ہوتا ہے۔ حمید نسیم ابھی اپنے بے پناہ مطالعے کے زیر اثر نہیں ہیں۔ میں نے سطور بالا میں ایک دوسرے طریقے سے یہی بات کہی ہے۔ دراصل یہ ایک ایسا کلیدی نکتہ ہے جو ابھی ان پر روشن نہیں ہوا ہے۔

غزل کے لئے جو انہیں کرنا چاہیے اس کے آثار حمید نسیم کی نظموں میں موجود ہیں۔ نظم اور وہ بھی آزاد نظم میں اظہار کی بہت سی گنجائشیں ہیں۔ لفظوں کو برتنے کی آزادی کے ساتھ آہنگ و اسلوب کی اپنی دھمک سے نظم اچھی لگ سکتی ہے۔ غزل سے نظم کی طرف اور پھر نظم سے غزل کی طرف کے سفر میں تخلیق کار اپنا اسلوب اور اپنا ڈکشن حاصل کر سکتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہر تخلیق کار کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنی شاعری کو ہر زاویئے سے سوچتا رہے۔ غیر ضروری لووں کو کترتا رہے، نوکیں کترتا رہے۔ خود تنقیدی کا یہ عمل آسان نہیں ہے لیکن شعرائے متقدمین، میں سے بیشتر نے یہ کیا ہے۔ غزل کے ساتھ نظم کی دیگر اصناف میں طبع آزمائی نے ان کی غزل و نظم کو خوب سنوارا تھا اور یہ لوگ ہمہ وقت اپنی غزل و نظم کی نوک پلک سنوارتے رہتے تھے۔

بہر حال حمید نسیم سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی شاعری کو شاعری بنائیں گے۔ پڑھی لکھی شاعری کے بجائے صرف شاعری جس میں ان کا عالمی فلسفوں کا اور شعر وادب کا مطالعہ ان کے تخلیقی عمل میں صرف معاون ہوگا۔ لیکن یہ معاونت بہت ضروری ہے۔

حمید نسیم عشق کی زمین سے حقیقت کے آسمانوں کی سیاحت کی طرف سفر کرر ہے ہیں۔ خدا کرے کہ غزل ان کو پوری طرح راس آئے۔ غزل کا قالب ہی مجاز سے حقیقت کی طرف لے جائے گا۔

افتخار امام صدیقی

(مدیر: ماہنامہ ''شاعر'' بمبئی

۲۱ جنوری ۲۰۰۲ء

(سوراج ایکسپریس، بمبئی۔ دہلی)

شکر ہے رب جلیل

رنگ بدلوں گا اگر رنگ بدلے گا زماں
میں کہ تخلیق کا جوہر بھی ہوں
بنی آدم ہوں میں
میری تعظیم کو ہیں سر بسجود
وہ فرشتے جن کو خود اپنے تقدس
پہ تھا ناز
خار کی طرح کھٹکتا ہوں دل شیطان میں
مجھ کو کچھ غم بھی نہیں
کیونکہ یہ کم بھی نہیں
کہ تصور کے افق پر کب سے
کہکشاں کی طرح روشن ہوں
بنی آدم ہوں میں
میرے سینے میں محبت بھرا دل
ان ستاروں سے پرے ہے منزل
کہکشانوں سے سجی ہے محفل

پھر بھی نخوت نہ تکبّر نہ گھمنڈ

اس کی درگاہ میں سرخم کیے لرزاں ہوں میں

ترساں ہوں میں

بنی آدم ہوں میں

عمرؓ و حمزہؓ و بوبکرؓ و علیؓ

اور عثمانؓ کا وجود

فاطمہؓ، آمنہؓ

حمیرہؓ و خدیجہؓ کی حیات

میرے پاکیزہ تفکر کی سبیل

عملِ حق کی دلیل

بنی آدم ہوں میں

تابعِ امر نبیؐ

حاملِ خُلق حسنؓ

وارثِ عزم حسینؓ

میں صداقت کا، شجاعت کا سدا ہمدم ہوں

بنی آدم ہوں میں

میری عظمت پہ حسد شیطان کو

قدسیوں کو بھی ہوا رشک میری عزت پر

میری عظمت ہے کہ ہیں سنگ و شجر میرے لئے

بحر و بر میرے لئے لعل و گُہر میرے لئے

میری رفعت ہے کہ ہیں شام و سحر میرے لئے

چاند تارے بھی ہیں سب محوِ سفر میرے لئے

میرے اقبال کی رُوداد طویل

میری ہستی کا ہے شہکار خلیلؑ

میرے جذبے پہ ہے والتّین، دلیل

مجھ سے ہی وادیٔ ایمن میں ہے روشن قندیل

بنی آدم ہوں میں

کوہِ فاراں سے اُبھرتی تہلیل

ثور اور غارِ حرا کی تسبیح

میرے آدابِ خودی کی مشعل

نعمتِ حق کی ہیں ممنوں و رہین

شکر ہے ربِّ جلیل

شُکر ہے ربِّ جلیل

بنی آدم ہوں میں

کل رات کا جاگا ہوں
امید لئے کل کی
تڑکے ہی میں نکلا ہوں

. . . .

سنسان سی سڑکیں تھیں
بے بیمار سی دنیا تھی بیکار سا عالم تھا
معلوم نہیں پڑتا دنیا کی حقیقت کیا؟
انسان کی حقیقت کیا؟
پوچھوں بھی مگر کس سے!
کوئی تو نہیں موجود
کوئی تو نہیں ظاہر
ہر شخص ہے پوشیدہ
پوشیدہ مگر کس سے!

اس شہر کے کھنڈر ہوں
یا اونچی سی تعمیریں
بڑھتی ہوئی ریلیں ہوں انسان کے اشارے پر
چڑھتی ہوئی موجیں ہوں جمنا کے کنارے پر
مخمور ہوائیں ہوں گلشن کی فضاؤں میں
سرشار جوانی ہو معصوم اداؤں میں
مجھ کو تو نہیں معلوم
کچھ بھی تو نہیں معلوم
دل کے ہیں تقاضے کیا؟
پوچھوں بھی مگر کس سے
کوئی تو نہیں موجود
کوئی تو نہیں ظاہر

انسان بھی کیا شئے ہے ناظورۂ قدرت میں
تھوڑی سی خوشی بھی ہے برباد سی قسمت میں
تھوڑا سا سکون حاصل پھر غم بھی ہے ہمراہی
دُکھ درد بھی موجود

کہتے ہیں مشیّت سے
اسباب اُسے روکیں
انجام اُسے ٹوکیں
حالات کریں مجبور اور خود ہی پریشان ہو
تھک ہار کے بیٹھوں گا
جی ہار کے بیٹھوں گا
آزاد نہیں انسان
پابند نہیں انسان
مجبور تو ہے لیکن
مختار نہیں کامل
قدرت کا نمونہ ہے
مجھ کو تو نہیں معلوم
پوچھوں بھی مگر کس سے

. . . .

کچھ جان نہیں پایا
انسان کی حقیقت کو
اُس اندھی عقیدت کو
پوجے یہ بتوں کو بھی

انسان کے پاؤں پر
خم کر دے سروں کو بھی
نابود سی اشیاء کو معبود سمجھ بیٹھے
معبودِ حقیقی کو نابود سمجھ بیٹھے
قدرت کے مظاہر پر
قدرت کا گماں گزرے!
انسان غلامی سے رُخ موڑ نہیں سکتا؟
ذلّت کے شکنجے کو کیا توڑ نہیں سکتا؟
پتھر کی لکیروں کو کیا چھوڑ نہیں سکتا؟
الجھا ہی رہے کب تک؟
بے جان عقیدوں میں؟
مرنا ہے تو شامل ہو
وحدت کے شہیدوں میں؟
بس اِک تمنّا ہے
پھر ہو کوئی ابراہیمؑ
جو روک دے ذلت سے
انسان کو ضلالت سے
محفوظ رکھے اس کو شیطان کی خیانت سے

افسوس یہ محرومی
ہیہات یہ بدبختی
خالی تو پڑا ہے رَن کوئی نہیں میدان میں
سوئے ہیں سپاہی سب
دے دے کے گواہی سب
کچھ صبح خموشاں میں
کچھ شامِ غریباں میں
مجھکو تو نہیں معلوم؟
کچھ بھی تو نہیں معلوم؟
پوچھوں بھی مگر کس سے

....

کوئی بھی نہیں اپنا
ہر شخص ہے بیگانہ
پھر بھی رُخ فردا سے
مایوس نہیں ہوں میں
قندیلِ شبِ غم میں امید کے جگنو ہیں
رم کرتے ہوئے دل میں ایمان کے آہو ہیں
ہر درد کا درماں بھی ہر درد میں ہوتا ہے

اسلام کا پروردہ انسان نہیں روتا ہے
دنیا کی اِمامت کا وارث نہیں سوتا ہے
معلوم ہے یہ مجھ کو
معلوم ہے یہ سب کو
شیطان کو بکھرنا ہے
شیطان تو بکھرے گا
انسان کو نکھرنا ہے
انسان تو نکھرے گا
معلوم ہے یہ مجھ کو
معلوم ہے یہ سب کو!

اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

میرے قلم کی جستجو — مری زُبان کی آبرو
ذکرِ دوامی ہے ترا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

فکر و خیالِ معرفت — ذکر و بیانِ منزلت
ہے جانفزا ہی جانفزا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

ہے یاد تری دِلکُشا — ہے ذکر تیرا دِلرُبا
خود درد ہے دل کی دوا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

یہ صبح و شام زندگی — کھوجائے راہوں میں تری
راہِ ھُدٰی کے رہ نمأ — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

اس صبحِ صادق کی قسم — روشن ہے تیرا دم قدم
اس پر ہے شاہد والضّحیٰ — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

رب سے فقط ہے یہ دُعا — چُھپ جائے میری ہر خطا
تجھ سے میرے مشکل کُشا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

میں بے نوا میں بے امان — نذر ستمہائے جہان
در پر ہوں ترے اک گدّا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

جامیؔ نہ میں اقبالؔ ہوں — اک شاعرِ بے حال ہوں
ممکن نہیں تری ثنا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

الفت تری سب سے سوا — میرا جہان سب سے جُدا
تُو ابتداء تُو انتہاء — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ
تری وِلا دل میں رہے — خلوت میں محفل میں رہے
ہے یہ متاعِ بے بہا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ
تو عرش کا مہمان ہے — تو فرش کی بس جان ہے
دلدار و محبوبِ خدا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ
اے شافعِ روز جزا — بہر نسیمؔ بے نوا
کوئی نہیں ترے سوا — اے مصطفیٰؐ اے مصطفیٰؐ

☆ ☆

نبیؐ کے دیدار کی تمنّا

(نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم)

نبیؐ کے دیدار کی تمنّا
بہارِ گُل بار کی تمنّا

حضور میں ہے غیاب میں ہے
رسولِؐ مختار کی تمنّا

بنائے شوقِ سوال رکھ کر
جوابِ سرکار کی تمنّا

ہمارے ہر ذکر و فکر میں ہو
خدا کے اس یار کی تمنّا

مدینہ دیکھوں کہ اب ہے دل میں
شگُفتہ گلزار کی تمنّا

ادب سے نظریں جھکا رہی ہے
فضائے انوار کی تمنّا

خوشی سے سرشار ہو رہی ہے
خیالِ بیدار کی تمنّا

نگاہ نیچی کیے ہوئے ہے
یہ اِک گنہگار کی تمنّا

فقیر ہے پھر بھی کر رہا ہے
عظیم دربار کی تمنّا

قبول ہوگی قبول ہوگی
غریب و ناچار کی تمنّا

نسیمؔ نالوں میں دب نہ جائے
ادائے اظہار کی تمنّا

☆

ثنا گزار ہو جس ذات کا، خدا وہ ذاتؐ

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے شوق و محبت کی انتہا وہ ذاتؐ
ہمارے ذوق و تمنّا کی مدّعا وہ ذاتؐ

قرینہ مدح و ثنا کا کہاں سے لائیں ہم
ثنا گزار ہو جس ذات کا، خدا وہ ذاتؐ

ہمارا عزمِ سفر منزلوں کو کیا پاتا
نہ بخشتی جو جہاں کو رہِ خدا وہ ذاتؐ

دلوں کی اجڑی زمینوں میں پھر بہار آئی
ہے موسموں کے تناظر میں گُل ادا وہ ذاتؐ

ہو فلسفہ کہ ادائے سخنوری کا خیال
فروغ پائے گا جب ہوگی رہنما وہ ذاتؐ

عداوتوں کے مسلسل عذاب سے دوچار
محبّتوں کی مجسّم ہے دل رُبا وہ ذاتؐ

کریں گے یاد زمانے کے اہلِ دانش بھی
کہ ظلمتوں میں بنی ہے سحر کُشا وہ ذاتؐ

حواسِ ظاہر و باطن کی اک نویدِ شگفت
کبھی ہے گل، کبھی خوشبو کبھی صبا وہ ذاتؐ

دلیلِ حکمت و عرفان، سبیلِ علم و یقین
صراط ذاتِ مشیّت کی رہنما وہ ذاتؐ

غزلیں
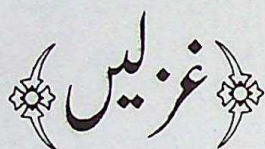
کب سے ہے وہ مقیمِ خانۂ غم

کب سے ہے وہ مقیمِ خانۂ غم
یعنی محفل سجائے بیٹھے ہیں ہم

کیا فسانہ ہے، کیا حقیقت ہے
کس طرح جانیں کیسے مانیں ہم؟

دل کی بستی میں روز شام ڈھلے
ہوتا رہتا ہے صبح کا ماتم

یوں ہی کیوں آج باتوں باتوں میں
ہوتی جاتی ہے آنکھ میری نم

بس گیا میری الجھنوں میں کہیں
تیری یادوں کا دلنشیں سرگم

وہ تری کہکشاں سی انگڑائی
بن گئی رنگ و نُور کا عالم

کوئی امید کی کرن بھی نہیں
اور مصیبت کا ہے وہی عالم

وقت دیتا ہے زخم بھی خود ہی
وقت بنتا ہے آپ ہی مَرہم

وائے یہ بے حسی کا خمیازہ
کام ناکامیوں میں ڈھونڈیں ہم

ناصبوری بھی کیا ضروری ہے
دل تو ہے اپنے آپ کا ہمدم

دل کی میزان پر تری یادیں
رکھ کے ہلکا کیا ہے بارِ غم!

اس قدر مضطرب ہوئے تھے کبھی
کہ سنبھل ہی سکے نہ تب سے ہم

وہ ظریفانہ باتیں تری نسیم
آنکھ کرتی رہیں گی میری نم

کہاں گیا وہ جنون اور وہ اضطراب کُہن

کہاں گیا وہ جنوں اور وہ اضطراب کُہن
کہ بے بہا تھی اثر میں وہی شراب کُہن

خودی سے خود ہی ہوا تھا میں پہلے بیگانہ
اب آج لگتی ہے یہ بے خودی عذاب کُہن

کسی حقیر توقّع پہ زندگی! بے سُود
سہارا خیمے کو دیتی نہیں طنابِ کُہن

کسی گناہ کا فدیہ تو بن ہی سکتے ہیں
کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں مگر ثواب کہن

جوان ہم ہوئے پُرکھوں کی شان کے بل پر
نئ حویلی میں لگ جائے جیسے باب کُہن

ضرور میرؔ کے شعروں کی خوشبو آئے گی
کہیں غزل کا ملے گا جو انتخابِ کُہن

نسیمؔ قصۂ عہد بہار لاحاصل
کہ اب نہ لوٹ کے آئے گی آب وتاب کُہن

☆

رہنا کِسے پسند ہے اپنے مکان سے دُور

رہنا کِسے پسند ہے اپنے مکان سے دُور
پھر کیوں سکون ہوگیا میرے جہاں سے دُور

اب وہ ستم نہیں جو محبت میں سہہ لئے
تری ادا پر لٹنا تھا میرے گُماں سے دُور

وہ مضطرب سے جلوے وہ بِسمل کا حالِ دل
لے کر گئے تھے مجھ کو مرے امتحاں سے دُور

کتنی تھیں کلفتیں جو محبت میں پیش تھیں
تو آگیا تو ہوگئیں دل کے جہاں سے دُور

حسنِ یقین کا اس سے بڑا کیا ہو، اب ثبوت
وہم وگماں سے میرے ترے درمیاں سے دُور

وہ خواب پھر دِکھادے جو کچھ دیر کے لئے
لے کر گیا تھا مجھ کو غمِ دو جہاں سے دُور

یا رب دلوں کی خیر کہ سیلاب آگیا
آنسو نہیں ہیں منزلِ آہ و فُغان سے دُور

جانے کہاں سکون ہے دل کے جہاں سے دُور
کیا وقت آپڑا کہ مکین ہے مکاں سے دُور

پھر مجھے یاد کرنے کا بہانہ تم کو مل جاتا

پھر مجھے یاد کرنے کا بہانہ تم کو مِل جاتا
میرے دل میں چلے آتے ٹھکانہ تم کو مِل جاتا

تمہیں دیوانگی میں ہے تلاش و جستجو کس کی
اگر دیوانہ میں ہوتا، دیوانہ تم کو مِل جاتا

غریبوں کی یہ دولت تھی سمیٹے تھا جو پلکوں پر
مرے آنسو اگر بہتے خزانہ تم کو مِل جاتا

یہ تہذیبِ محبت تھی جھکائے تھے نظر دونوں
وگر نہ میرے اس دل کا نشانہ تم کو مِل جاتا

وہی آرام و راحت کی طلب لیکر چلا ہوں میں
سماں گلزارِ جنّت کا سُہانا تم کو مل جاتا

اگر آزادیوں کی نعمتوں کو تم سمجھ لیتے
خودی کے رنگ میں ڈوبا زمانہ تم کو مل جاتا

کہاں کی دانش و بینش، کہاں کا سوزِ فرزانہ
تڑپ دل میں اگر ہوتی، زمانہ کو تم کو مل جاتا

☆

میرا حالِ زار بھی دیکھ!

میرا حالِ زار بھی دیکھ
ظالم کا پندار بھی دیکھ
جذبوں کا بیوپار بھی دیکھ
دل کا یہ بازار بھی دیکھ
کیسا احسان، کیسے مُحسن
بدخواہوں کا پیار بھی دیکھ
ختم نہ ہوں گے شکوے تیرے
اشکوں کا انبار بھی دیکھ
اوروں کی خود داری دیکھی
اپنا دلِ خود دار بھی دیکھ
اہلِ خرد بھی دشت میں آئے
اہلِ جنوں کا وار بھی دیکھ
ٹوٹ گئے ہیں جام و ساغر
ترکِ گناہ کی مار بھی دیکھ

☆

کیوں چلی آتی ہیں یادیں پیہم

کیوں چلی آتی ہیں یادیں پیہم
اشک برساتی ہیں یادیں پیہم

عشق تھا شوق تھا یا وحشت تھی
اب یہ سمجھاتی ہیں یادیں پیہم

حُسن تھا رنگ تھا رعنائی تھی
گویا لہراتی ہیں یادیں پیہم

دل کی راہوں میں کوئی موڑ نہیں
کیوں بہک جاتی ہیں یادیں پیہم

اِک سکون جس کی طلب تھی بے جا
یوں بھی تڑپاتی ہیں یادیں پیہم

دل نہیں، یاد نہیں، کچھ بھی نہیں
کچھ نہ کچھ گاتی ہیں یادیں پیہم

پھر چلو آج اُسی کوچے میں
دل کو للچاتی ہیں یادیں پیہم

جابجا حسنِ ادا کی خوشبو
گھر کو مہکاتی ہیں یادیں پیہم

جس گھڑی اس کا خیال آتا ہے
جگمگا جاتی ہیں یادیں پیہم

آج لذّت ہے تڑپنے میں نسیم
آج بہلاتی ہیں یادیں پیہم

آج پھر جشن منایا جائے

آج پھر جشن منایا جائے
سوئی یادوں کو جگایا جائے

مجھ کو دعویٰ تھا محبت کا بہت
کیسے یہ عہد نبھایا جائے

دل لگی مہنگی پڑی ہے مجھ کو
دل کی بستی کو بچایا جائے

شادمانی کا فسوں بھی دیکھا
"فقر فخری" کو نبھایا جائے

رنگ و نور اپنی نظر کا دے کر
اس دریچے کو سجایا جائے

کامراں کر کے نئے وقتوں کو
قرض صدیوں کا چکایا جائے

دل کو دیتا ہوں امیدِ فردا
جیسے رُوٹھے کو منایا جائے

دل کا اب حال نہ پُوچھو یارو
دل کی حالت کو چُھپایا جائے

ہے نسیم آج بھی وہ رونقِ محفل
شمع کو کیسے بجھایا جائے

منزل ہی مل سکی نہ کسی کا پتہ ہمیں

منزل ہی مل سکی نہ کسی کا پتہ ہمیں
اس ڈور کا مِلا نہیں کوئی سِرا ہمیں

اس زندگی میں اب نہیں کوئی مزا ہمیں
اس سے بڑی ملے گی بھلا کیا سزا ہمیں

ہم دل کے ہاتھوں ہار گئے راہِ شوق میں
عقل و خرد سے کوئی نہیں اب گلہ ہمیں

راہِ خودی میں رہ گیا ہر نقش، ناتمام
اس بے خودی کا کوئی تو دے گا صِلہ ہمیں

ہم رہ گئے ہیں صفحۂ ہستی کے درمیان
دیکھی ہے ابتداء، نہ ملی انتہا ہمیں

کیا جانیئے یہ کیسا تلاطم ہے عشق کا
نامِ خدا پہ لے کے چلا، ناخُدا ہمیں

ذرّوں کے آفتاب، جبیں میں سمیٹ لیں
مل جائے اے نسیم، درِ مصطفٰےؐ ہمیں

☆

رُکی حیات ہے وہاں جہاں رُکے تھے ہم کبھی

رُکی حیات ہے وہاں جہاں رُکے تھے ہم کبھی
جہاں رہے تھے ساتھ ساتھ مگر نہیں تھے غم کبھی

عجیب تیری یاد تھی، عجیب تھا میرا سکون
نہ مل سکوں گا میں کبھی یہ کھائی تھی قسم کبھی

مری نگاہ میں تڑپ، تری نظر میں تھا نشہ
نہ سوچ سکتا تھا میں یہ کہ ہوگی آنکھ نم کبھی

تیرے پیام مل گئے ہیں چاند رات آتے ہی
حسین تعلقات کا نہ ٹوٹے گا بھرم کبھی

ستارہ دور تھا کھڑا تماشا بین کی طرح
وہاں ہوں آج میں کھڑا جہاں تھا وہ صنم کبھی

نسیم تری یاد میں کسی کے دل کی دھڑکنیں
نہیں تھا ہم کو کوئی شک وہاں بھی ہوں گے ہم کبھی

☆

دل کی ہستی حُباب کی مانند

دل کی ہستی حباب کی مانند
ہے سہارا شباب کی مانند

میں نے دل ہار کے گنوایا اُسے
وہ جو دل میں تھا خواب کی مانند

اب ستم ہائے عہد کو روئیں
ہر ستم ہے عذاب کی مانند

دل سے سودا کیا تیرے غم کا
ترا غم ہے شراب کی مانند

کوئی خوشبو چُرا نہ لے جائے
زندگی ہے گلاب کی مانند

فرقِ آب و سراب کون کرے
آب بھی ہے سراب کی مانند

ترکِ دنیا کا ہے صلہ یہ نسیم
ہے سکون اضطراب کی مانند

☆

اب نہ بہاریں اپنی ہیں اور نہ گلستان اپنا ہے

اب نہ بہاریں اپنی ہیں یہ اور نہ گلستان اپنا ہے
پھولوں کی ہر ہر کیاری میں، دشت و بیابان اپنا ہے

سیر کریں ہم گلشن کی، وہ موسم شاید بیت گئے
ہم تو سیر سے عاری ٹھہرے غیر کا ارمان اپنا ہے

کس کی خاطر ہم دیتے تھے، خونِ جگر کی قُربانی
اب نہ سُراغِ منزل کوئی اور نہ حُدی خوان اپنا ہے

بیت رہا ہے گُلوں کا موسم آہُوں کے طوفانوں میں
کس کے ہاتھوں خون میں غلطاں اب یہ گلستان اپنا ہے

کس سے شکوہ، کیسا شکوہ سب تو دشمن اپنے ہیں
دیکھ چکے ہیں اکثر یار و دوست بھی حیران اپنا ہے

عزت و عصمت ماں بہنوں کی، سارے ظالم لُوٹ گئے
اس پر بھی معتوب ہوئے ہم حال پریشان اپنا ہے

قائد اپنے بھاگ گئے ہیں بیچ کے اپنا دین و دھرم
قوم کی نیّا ڈول رہی ہے ساحلِ انجان اپنا ہے

کچھ تو سوچو اہلِ دانش سینے میں جو درد ہے کچھ
گر نہ سوچو گے ایسے میں پھر تو نقصان اپنا ہے

سکون چاہیے اس ذہنِ بےسکون کے لئے

سکون چاہیے اس ذہنِ بے سکوں کے لئے
جنون بھی مل نہ سکا طالبِ جنوں کے لئے

یہ دل دھڑکتا رہا الجھنوں کے دوش بہ دوش
ترس رہا تھا کسی اور ہی سکون کے لئے

کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں گا اس زمانے میں
مآلِ چارہ گری حالتِ زبوں کے لئے

عجیب شہر ہے اور لوگ بھی عجب ہیں یہاں
کہ جیتے رہتے ہیں دن رات قتل وخُوں کے لئے

مری نظر میں چراغاں بجھادو منظر کا
تڑپ رہا ہوں میں اک جلوۂ دروں کے لئے

جو میرے کالے مقدر سے ربط رکھتی ہیں
وہ گردشیں ہیں کہاں چرخِ نیلگوں کے لئے

☆

عجیب کرب میں ہے، چھوڑ کر گیا کوئی

عجیب کرب میں ہے، چھوڑ کر گیا کوئی
غریب دل کو مرے، توڑ کر گیا کوئی

مجھے تلاش تھی جس کی کہیں ملا نہ کبھی
مری تلاش کا رخ موڑ کر گیا کوئی

نظر کا نشہ تو دل کا سُرور ختم ہوا
کہ ظرفِ بادۂ جاں پھوڑ کر گیا کوئی

بدل چکے ہیں مفاہیم حسن کچھ اتنے
کہ میری فکر و نظر، موڑ کر گیا کوئی

سدا وہ ہمدم و دمساز بن کے رہتا ہے
کچھ ایسا رشتۂ جاں جوڑ کر گیا کوئی

نسیم ہوگا تمہارا ہی ربط دل کمزور
جو تم سے عہدِ وفا توڑ کر گیا کوئی

ہمیشہ رہتا ہے ہنگامۂ سفر پہ نسیم

ہمیشہ رہتا ہے ہنگامۂ سفر پہ نسیم
زمانہ رک نہیں پاتا کسی ڈگر پہ نسیم

یہ زخم روح پہ آئے جو ترے ہاتھوں سے
شمار کرتا تھا ان کو کوئی جگر پہ نسیم

تمہاری بھول عجب تھی جنوں کمال کا تھا
رہی نہ عقل بھی سیدھی کسی ڈگر پہ نسیم

اگرچہ رات کے بادل برس گئے تو کیا
چلا نہ بس تو تمہارا کبھی سحر پہ نسیم

خوشی کا عالمِ مستی غموں کے جھرمٹ میں
کہ جیسے ہو کوئی مائل سدا سفر پہ نسیم

وہ میری شوخ ادا تھی میرا ملال نہ تھا
کہ جس کو نذر کیا تھا تری نظر پہ نسیم

تمہاری یاد انوکھی ادا لئے تھی سنو
بہک گیا تھا کوئی زیست کی ڈگر پہ نسیم

ہمارے راز کبھی رہ سکے نہ سربستہ
کہ کرسکے نہ بھروسہ کبھی خبر پہ نسیمؔ

تمہارا علم ہماری نظر کو کیا پہونچے
عمل تمہارا رہا ہے سدا خبر پہ نسیمؔ

وہی تلاش کا عالم وہی زوالِ یقین
جنوں نے ساتھ نہ چھوڑا کسی ڈگر پہ نسیمؔ

ورائے علم جنوں ہے جنوں کے بعد ہے کیا؟
عجیب بارِ جنوں ہے ہمارے سر پہ نسیمؔ

ہے مے کشی کا زمانہ کہ بے حیائی کا
بھروسا کر نہ سکیں گے کسی نظر پہ نسیمؔ

تمہاری خاص عنایت سے جب بھی مل جائے
میں ہر ستم کو سہاروں دل و جگر پہ نسیمؔ

جمالِ خاک نشینی جلال پادشہی
دکھائی دیتے ہیں بس ایک مستقر پہ نسیمؔ

خدائے عزّ وجل کا یہی سہارا ہے
کہ دل ہے اس کے کرم پر نگہ سفر پہ نسیمؔ

تیرا جنوں ہے میری بے بسی پہ خنداں کیوں
میرا بھرم تو ہے اک گریۂ سحر پہ نسیمؔ

میں اب تلاش کروں موسمِ جوانی کہاں؟

میں اب تلاش کروں موسمِ جوانی کہاں؟
کلی کا قصّہ کہاں، پھولوں کی کہانی کہاں؟
کسی حسین فسانے کی دل رُبا زنجیر
رفاقتوں کی وہ پہلی سی اب کہانی کہاں؟
وہی تقاضا کیا دل نے تو سمجھ میں گیا
مگر نصیب میں اب شام وہ سہانی کہاں؟
وہ محفلوں کی چمک اور مجلسوں کا وقار
وہ شعر گوئی میں لپٹی فسوں بیانی کہاں؟
کیا تھا وقت نے مجھ کو خرد سے بیگانہ
جنوں ملا تھا، مگر اب وہ آنجہانی کہاں؟
مجھے تو روئے حقیقت کی آب دیکھنا ہے
بجھا سکا ہے میری تشنگی کو پانی کہاں؟
نسیمؔ تم نے زمانے کو روک رکھا ہے کیا؟
کہ گردشوں کا یہ احساسِ بے زمانی کہاں؟

☆

دل میں نہ جانے کون یہ انجان آ گیا

دل میں نہ جانے کون یہ انجان آ گیا
مشکل میں دین خطرے میں اِیمان آ گیا

اب کیسے ہم عبور کریں بحرِ بیکراں
پیراک بن رہے تھے کہ طوفان آ گیا

اے زندگی ملال نہ کر، یہ نہیں ہے موت
صبر و قرار دل کو میری جان آ گیا

تسکین ملے گی سایۂ گیسوئے یار میں
محفل میں اس کی کوئی پریشان آ گیا

پھر کوئی یاد، کوئی خلش دل کے آس پاس
مدت کے بعد پھر کوئی مہمان آ گیا

آشفتہ ذہن، سوختہ دل اور خستہ حال
لے کر یہ کون عشق کی پہچان آ گیا

تم تو نسیمؔ درد کو سمجھے تھے لا دوا
اب درد بن کے روح کا درمان آ گیا

☆

برفیلی ہوائیں ہیں برفیلی فضائیں ہیں

برفیلی ہوائیں ہیں برفیلی فضائیں ہیں
اک ہم ہیں ستم دیدہ اس پر یہ ادائیں ہیں

محسوس نہیں ہوتا نغموں کے تسلسل میں
ورنہ دلِ عاشق کی پُر درد صدائیں ہیں

وہ یار نہیں ملتا ارمان تھا بہت جس کا
ہر لمحہ مگر اُس سے ملنے کی دعائیں ہیں

معصوم سی کلیوں پر شبنم کا ستم دیکھو
سورج کی تمّازت ہے موسم کی بلائیں ہیں

گو وصل نہیں حاصل قسمت میں نسیم اپنے
کیا کم ہے مقدر میں فرقت کی سزائیں ہیں

ملے ہیں راہ میں لیکن عذاب کی مانند

ملے ہیں راہ میں لیکن عذاب کی مانند
ہوا مِلن بھی تو اِک موجِ آب کی مانند

شکستہ خواب نگاہوں میں لے کے چلتا ہوں
یہ خواب ہونے لگے ہیں سراب کی مانند

وہ تیز و تند سمندر میں پھیلتا ہی گیا
اُسے سکون ملا اضطراب کی مانند

وہ آگ ہو کہ ہو شبنم کوئی بھی فرق نہیں
میرا وجود ہے یارو گلاب کی مانند

رُخ زمانہ پھرے گا ہماری سمت تو کیوں
ہمارا ضرب بھی ہوگا کتاب کی مانند

نہ عکسِ شرم ہے باقی نہ کوئی موجِ حیا
چلی ہیں شوخ ہوائیں شراب کی مانند

پُرانی راتوں کا ہر رنگ ہوگیا دُھندلا
تمام خواب ہوئے اب تو خواب کی مانند

نسیم یہ بھی بہت ہے کہ اس نے یاد کیا
کتابِ شوق میں اک انتساب کی مانند

سر غیر کی دہلیز پہ خم دیکھ لیا ہے

سر غیر کی دہلیز پہ خم دیکھ لیا ہے
یہ حوصلۂ اہلِ قلم دیکھ لیا ہے

دیوانوں کو اربابِ ہمم دیکھ لیا ہے
فرزانوں کو مائل بہ ستم دیکھ لیا ہے

کچھ ایسا بھی احساس میں غم دیکھ لیا ہے
مغرور خدا جیسا صنم دیکھ لیا ہے

سر اپنا عقیدت میں جھکائے ہے فلک بھی
لہراتا ہوا حق کا علم دیکھ لیا ہے

ہم اپنی ستائش کے لئے کچھ نہ کہیں گے
کتنا ہے دلِ غیر میں دم دیکھ لیا ہے

اب گردشِ اوقات میں کیا رہ گیا باقی
ہر رنج و محن، درد و الم دیکھ لیا ہے

جیسے مری تو بہ ہے کہ پوری نہیں ہوتی
ویسے ہی ترا قول و قسم دیکھ لیا ہے

دُنیا میں کہیں غم ہے کہیں جشنِ مسرت
دونوں کو بہرحال ہم دیکھ لیا ہے

کچھ دن سے نسیمؔ اپنے ہی ہمراز کو میں نے
مائل بہ سوئے دام و درم دیکھ لیا ہے

اُس کی نظر اُمید کا عنوان ہوئی تو تھی

اُس کی نظر امید کا عنوان ہوئی تو تھی
اک شمع، طاقِ دل میں فروزاں ہوئی تو تھی

خوابوں کے رنگ اب نہیں آنکھوں کے سامنے
لیکن کبھی یہ رات غزل خواں ہوئی تو تھی

ہاں منزلِ طلب نہ ملی پھر بھی کم نہیں
اِک حسرت غبارِ پریشان ہوئی تو تھی

گُلرنگ کانٹے دیکھ کے ایسا لگا مجھے
دل کی متاع نذرِ بیابان ہوئی تو تھی

اب بھی ہے یاد دشتِ جنوں میں خرد کے ہاتھ
میری قبائے شوق گریباں ہوئی تو تھی

اک لمحۂ فراق کہ کچھ دیر کے لئے
میری ہی عمر مجھ سے گریزاں ہوئی تو تھی

اس حسنِ لازوال کے دیدار کے لئے
آنکھوں میں تابِ دید نمایاں ہوئی تو تھی

یہ کم نہیں ہے شوق کے صحرا میں اے نسیم
پابوس راہِ خارِ مغیلان ہوئی تو تھی

میرے ارمان نکھر جاتے بچھڑ جاتے تم

میرے ارمان نکھر جاتے بچھڑ جاتے تم
کچھ تو ارمان اُبھر جاتے بچھڑ جاتے تم

ابھی آغاز محبت میں ہے انجام کہاں
میرے انداز سنور جاتے بچھڑ جاتے تم

کوششِ عشق ادھوری ہی رہے گی شاید
حوصلے یوں ہی بِکھر جاتے بچھڑ جاتے تم

غم کی دولت سے بھرے ہم دِل مجنوں کی طرح
یوں ہی صحرا سے گذر جاتے بچھڑ جاتے تم

اس ملاقات کا انجام نہ ہوتا ایسا
وار کچھ اور بھی کر جاتے بچھڑ جاتے تم

دل میں نہیں ہے پیار، زبان پر نہیں ہے پیار

دل میں نہیں ہے پیار زبان پر نہیں ہے پیار
پھر بھی کروں میں جانِ جہاں تم پہ اعتبار

راتوں کی نیند، دل کا سکون، دن کا کاروبار
اوروں سے منسلک ہے نہیں کوئی اختیار

اب غم کے سانحوں سے ہوا ہوں میں بے قرار
اب غم کی محفلوں میں ملے گا مجھے قرار

ساوَن کی مست رُت میں جو رقصاں ہے آج مور
مارے خوشی کے میری بھی آنکھیں ہیں اشکبار

گو میں چلا ہوں سوئے حرم پھر بھی دوستو!
دل پر مرے ہوس کے گناہوں کا بھی ہے بار

جفا اگر نہ کرے وہ، تو پھر وفا کیسی

جفا اگر نہ کرے وہ، تو پھر وفا کیسی
محبتوں کے جہاں کی ہے یہ ادا کیسی

میرے دردوں کو سلیقہ ہے نے نوازی کا
جو بے نیاز ہے لے سے وہ ہے نوا کیسی

میرے خیال کا گلشن اُداس اُداس سا ہے
خدا ہی جانے کہ اب کے ہے یہ صبا کیسی

کوئی کلی نہ کھِلے، گل کی نکہتیں نہ اُڑیں
چمن طرازوں نے باندھی ہے یہ ہوا کیسی

زمانہ اس پہ ہے درپے کہ جی رہا ہوں میں
خطا نہ کی ہو کسی نے تو پھر سزا کیسی

فراتِ اشک ہے صحرائے دل میں ٹھہری ہوئی
میرے وجود کے اندر ہے کربلا کیسی

نسیمؔ اس کی نظر تیرِ نیم کش ہی سہی
ہے دل رُبا و دل افزا دل کُشا کیسی

☆

منظر اُداس، سبز فضائیں اُداس ہیں

منظر اُداس، سبز فضائیں اُداس ہیں
صحنِ چمن میں کیوں یہ ہوائیں اداس ہیں
کوئی گرا اُدھر کوئی گھائل اِدھر ہوا
دیوار و در سے اُٹھتی صدائیں اداس ہیں
جن کی یہ آرزو تھی کہ ڈھونڈیں نئے اُفق
تاریک شب میں ان کی ادائیں اُداس ہیں
تقدیر کی ہے بات، کوئی نہیں جواب
دستِ دعا سے لپٹی دعائیں اداس ہیں
دن اب کہاں پیامِ خوشی لائے گا نسیم
آہِ سحر گہی کی فضائیں اُداس ہیں

ابتدا ہے شوق کی زندہ دِلی

ابتدا ہے شوق کی زندہ دلی
انتہا وارفتگی دیوانگی

ہر طرف تجھ سا ملا ہے گلستان
ہر طرف ہے دِلکشی ہی دِلکشی

بے وفائی کا گلہ بھی ہے عبث
یہ پُرانی رسم ہے ہر دور کی

آرزوئے مرگ کیا صیّاد سے؟
جس کے ہاتھوں میں ہے میری زندگی!

میں چمن زارِ خزاں کا ہوں امین
خاک میں اس کی ہے فصلِ گل نئی

کیوں گریزاں ہو آشنائی سے

کیوں گریزاں ہو آشنائی سے
سابقا کیا ہے بے وفائی سے
یہ ادا، یہ سماں تبسّم کا
کچھ گماں تیری کج ادائی سے
وارثِ غم ہے بے خودی کا امین
کچھ علاقہ ہے یوں جدائی سے
یہ خزاں پروری بہاروں کی
فائدہ! موجِ صبح گاہی سے
سنگِ در، سنگ نہیں بنا رہتا
روشنی آئی جبہ سائی سے
اے نسیم اب توقّعات نہ رکھ
دل لگی اور دلرُبائی سے

☆

ناکام سی اُلفت کا عنوان نرالا ہو

ناکام سی الفت کا عنوان نرالا ہو
بے تاب سی آہوں کا ہر سمت اُجالا ہو
میں نے بھی تصوّر میں جس درد کو پالا ہے
کاش اس نے بھی سینے میں اس درد کو پالا ہو
میں سوز کے پردے میں ہر ساز کا ہمدم ہوں
مظلوم کے سینے میں گو درد ہو نالہ ہو
اس راہِ محبت کے بس دو ہی تقاضے ہیں
سر میں کوئی سودا ہو اور پاؤں میں چھالا ہو
اشکوں کی روانی سے تسکین ہوئی دل کو
ممکن ہے تلاطم نے کشتی کو سنبھالا ہو
ایمان و وفاداری اس کو نہیں کہتے ہیں
ویران سی مسجد ہو، برباد شوالا ہو
سینے میں نسیمؔ اپنے وہ راز ہیں دنیا کے
جُنبش جو زبان کو دواں دنیا تہ و بالا ہو

☆

حسرتِ شوق کا انجام نرالا دیکھا

حسرتِ شوق کا انجام نرالا دیکھا
دل سے وابستہ ہر اک کام نرالا دیکھا
محفلِ حسن کا عالم وہ سرور و مستی
ہستیِ شعر کا انعام نرالا دیکھا

وہ ادب جس کی زمانے میں بہت دھوم رہی
ہوتے بازار میں نیلام نرالا دیکھا
جسم اور روح کسے رشتے کو نبھانے کے لئے
میں نے مظلوم کا ہر کام نرالا دیکھا

عشق ہم نے بھی کیا گو کہ زمانے میں نسیم
ایسے آغاز کا انجام نرالا دیکھا

روداد عشق تجھ سے بیان کر کے کیا کروں؟

رُودادِ عشق تجھ سے بیاں کر کے کیا کروں
اب آرزو کو پھر سے جواں کر کے کیا کروں

شاید تیرے خیال کو سمجھا سکوں نہ میں
اپنے جنوں کا حال عیاں کر کے کیا کروں

میری حکایتوں میں چھپا دل کا درد ہے
محرومیوں کو اپنی بیان کر کے کیا کروں

منزل قریب تھی نہ مسافر جسّور تھا
راہوں کی کلفتوں کو عیاں کر کے کیا کروں

رشتہ تھا دل کا اور زبان کا کلام اور
اپنی وفا کو تجھ سے بیاں کر کے کیا کروں

کیوں تو امید ہم سے لگا بیٹھی ہوائے خوشی
غم کو میں اپنے دل کے نہاں کر کے کیا کروں

کیوں ہو شریکِ درد، زمانہ بھی اے نسیم
خاموشیوں کو اپنی زبان کر کے کیا کروں

☆

میرے ارمان بھی بدل جاتے بدل جاتے وہ

میرے ارمان بھی بدل جاتے بدل جاتے وہ
میں سنبھل جاتا جو گر کر بھی سنبھل جاتے وہ

میں نے سمجھا تھا محبت میں انہیں اپنا رفیق
میری اس سوچ کی گرمی سے پگھل جاتے وہ

اے نوا سنج بہاروں کی زمینِ فردوس
تو جو پھولوں کو لٹاتی تو مسل جاتے وہ

کیوں کہ وہ یاد میرے دل میں بپا رہتی تھی
ان کو احساسِ وفا تھا تو مچل جاتے وہ

میں تو سودائی تھا وحشت میں رہا تھا مشغول
مجھ سے اُلفت انہیں ہوتی تو بہل جاتے وہ

چشمِ ساقی تھی بہت تُند اے اہلِ محفل
ساغرِ بادہ اٹھالیتے تو جل جاتے وہ

☆

کسی کلی کو چمن میں اگر پنپنا ہے

کسی کلی کو چمن میں اگر پنپنا ہے
تو سمجھے، گل ہی نہیں خار تک بھی اپنا ہے
کسی کے پیار سے محرومیوں کا ہے شکوہ
گلہ کروں میں کس سے نہیں وہ اپنا ہے
میرے خیال میں بستا تھا خوشبوؤں کی طرح
پتہ چلا کہ سہانا سا ایک سپنا ہے
اُداسیوں کا سبب ہے فراق و محرومی
میرے نصیب میں شاید یوں ہی تڑپنا ہے
ستمگروں کی سی صورت نہیں اگر ہو بھی
وہ کوئی غیر نہیں ہر طرح سے اپنا ہے
یہ انتظار عبادت سے کم نہیں شاید
تمہارے نام کی تسبیح کو ہی جپنا ہے

☆

اب بھی وہی جنوں ہے وہی بے کلی بھی ہے

اب بھی وہی جنوں ہے وہی بے کلی بھی ہے
اِک اضطراب سا ہے مگر بے دلی بھی ہے

کیسے کروں میں عرض تمنا کے باب میں
گر بات کچھ بُری ہے تو کچھ کچھ بھلی بھی ہے

اُلفت ہے یا اُمیدوں کی ہے سوزشِ دوام
اک یاد ہے جو غم کی حدوں سے ملی بھی ہے

وائے سکونِ رفتہ کی امید بازیافت
کچھ تو زیاں ہے، وقت کا کچھ بزدلی بھی ہے

آباد کرنا چاہیے اب اک جہانِ نو
رسمِ کہن سے دل کی لگن کاہلی بھی ہے

نہ ملے حیات کی راہ پر کوئی راہبر تو میں کیا کروں

نہ ملے حیات کی راہ پر کوئی راہبر تو میں کیا کروں
مری ہم سفر جو بنی رہے، مری رہ گذر تو میں کیا کروں

جو رواج و رسم کا عیب ہے وہ بنے ہنر تو میں کیا کروں
مری ہر ادا تو ہے سادہ سی جو ہو بے اثر تو میں کیا کروں

تری مستیوں کے جواب میں رہی غمزدہ میری ہر صدا
کہ تڑپ رہا ہوں گلی گلی تو ہے بے خبر تو میں کیا کروں

میری بے رخی تھی نہ بے رخی کہ سبب تھا اس کا کچھ اور ہی
میری بات تجھ پر اثر کرے کہ ہو بے اثر تو میں کیا کروں

میں سوال کی طرح گور ہوں جو لبوں پہ تیرے تو ہے بجا
کرے قید حسنِ جواب میں، مجھے تو اگر تو میں کیا کروں

وہ جوانیوں کے حسین دن یوں پلک جھپکتے گذر گئے
مگر ان دنوں پہ پلٹ کے اب نہ پڑے نظر تو میں کیا کروں

میں نسیم کتنا عجیب ہوں، نئے موسموں کا نقیب ہوں
مجھے میری کشتِ خلوص سے نہ ملے ثمر تو میں کیا کروں

☆

روز و شب جب چُھپا کرے کوئی

روز و شب جب چُھپا کرے کوئی
راز افشاء ہوا کرے کوئی

راز ہی جو بتا سکے نہ کبھی
ایسا ہمراز کیا کرے کوئی

مستیِ شوق بھی رہے مستور
شور یوں ہی بپا کرے کوئی

دل ہے افسردہ بھولی یادوں سے
یاد آئے تو کیا کرے کوئی

مجھ سے مل کے بچھڑ سکے کیسے
ایسی جرأت پہ کیا کرے کوئی

رسم ہے اب یہی زمانے کی
ہم مریں اور جیا کرے کوئی

اے نسیمؔ اب یہی شکایت ہے
ترے غم کا گلہ کرے کوئی

☆

کوئی تھا پاس خیالوں میں دھڑکنوں کی طرح

کوئی تھا پاس خیالوں میں دھڑکنوں کی طرح
مگر ہوئے ہیں جدا ان سے آنسوؤں کی طرح

سکون میرا زمانے کی محفلوں میں کہاں
اُلجھ گیا ہوں جو میں خود سے اُلجھنوں کی طرح

وہ سرفراز، وہ فاتح، وہ عادلِ ازلی
گذر گیا ہے جو راہوں سے اڑچنوں کی طرح

دلِ صبور کی بیجا شکایت دید
گوارا ہم کو نہیں ہوگی رہزنوں کی طرح

نسیمؔ رشکِ جناں ہے وہ رشکِ عالم بھی
جو رہ رہا تھا زمانے میں دشمنوں کی طرح

ہمارے سوز کی مستی میں جل گیا ہے کوئی

ہمارے سوز کی مستی میں جل گیا ہے کوئی
ہمارے عشق کے تیور بدل گیا ہے کوئی

وہی تقاضے سفر کے وہی ہجومِ خیال
تیرے وفاؤں کے در پر پھسل گیا ہے کوئی

کہاں کہاں ہے جنونِ وفا کا یہ سودا
تمہاری راہ کو پانے نکل گیا ہے کوئی

وہی زمانے کی ٹھوکر کو جھیل پائے گا
تمہاری راہ میں آ کر سنبھل گیا ہے کوئی

نسیمؔ تم تو سراپا نگاہ راہ میں تھے
پھر آج سائے کی صورت نکل گیا ہے کوئی

یاد آئے ہیں بہت مجھ کو وہ معصوم سے خواب

یاد آئے ہیں بہت مجھ کو وہ معصوم سے خواب
اب کہاں جانے لگے ہیں میرے معدوم سے خواب

بچپنا گذرا تو لگنے لگے معدوم سے خواب
اے جوانی مجھے لوٹا دے وہ معصوم سے خواب

دل کی دنیا پہ بھروسہ ہے نہ دین کی پرواہ
ایسا لگتا ہے کہ یہ سارے ہیں معلوم سے خواب[1]

رہزنی شومئ قسمت نے یقیناً کی ہے
شہرِ تعبیر میں پھرتے ہیں جو محروم سے خواب

شان و شوکت کے نشاں ہیں یہ حویلی کے کھنڈر
آہ شبہائے ستمگر کے یہ مظلوم سے خواب

اس کا لہجہ ہے کہ شعروں کی کوئی کاہکشان
اس کی باتیں ہیں کہ نکھرے ہوئے منظوم سے خواب

....

۱۔اس شعر میں دراصل موجودہ زمانے کے تشکیک پسند اور مذہب بیزار لوگوں کے نظریئے کی عکاسی کی گئی ہے۔احقر بحمداللہ نہ صرف حیات بعدالموت اور رُوحانی زندگی کا معتقد ہے بلکہ دینِ اسلام کو برحق سمجھتا ہے اور اس کو تمام مسائلِ حیات کا کافی وشافی حل مانتا ہے۔(حمید نسیم رفیع آبادی)

کیا کِیا جائے مچلنے کا بہانا ہی نہیں
کیوں چلے آتے ہیں پیہم مرے موہوم سے خواب

میں نے چھوڑا جسے وہ ہے میرے پُرکھوں کی متاع
یوں ہی راتوں کو نہیں لگتے ہیں محروم سے خواب

اے نسیم اپنا ہی شیرازہ ہے بکھرا بکھرا
کیوں تراشوں میں کسی کے لئے منظوم سے خواب

کتنا دلچسپ ہے یہ تازہ خیال

کتنا دلچسپ ہے یہ تازہ خیال
موت مشکل ہے، زندگی ہے محال

مجھ کو صدمہ ہے اور اُن کو ملال
زندگی ہورہی ہے روبہ زوال

دن کو جس کی تلاش کرتا تھا
رات آئی تو گم ہوا وہ خیال

تیری آنکھوں میں کھو کے میں بھی کبھی
پا ہی جاؤں جہانِ غم کا سوال

میں نے سوچا تھا تم وہی تو نہیں
جس کی خاطر ہوا تھا رنج و ملال

کون ظالم ہے کون ہے مظلوم
تیری آنکھوں نے کردیا ہے کمال

اب تو موسم نہیں ہے بارش کا
ایسے موسم میں کیوں ہے رنج و ملال

کچھ ایسی شب کی ہے تلاش مجھے
جب تری یاد میں تھا میں بے حال

اب نئی راہِ عشق ہے درپیش
کیسے طے ہو جہانِ غم کا یہ سال

الفتیں اور بھی کئی تھیں مگر
تری الفت نے کردیا ہے کمال

میرے ساتھی تیری وہ معصومی
تیری باتوں سے ہوگیا ہوں نڈھال

تجھ سے بچھڑا تھا بچھڑ جانے کا امکان بھی نہ تھا

تجھ سے بچھڑا تھا بچھڑ جانے کا امکان بھی نہ تھا
جل رہا تھا دل مگر برباد و ویراں بھی نہ تھا

حوصلے کیسے نکھرتے صرف دل کی چاہ سے
تجھ کو پانے کے لئے کچھ عزمِ جولاں بھی نہ تھا

تجھ سے مل کر زندگی مجھ کو ملی تھی اس قدر!
تجھ سے چُھٹ کر مجھ کو مر جانے کا ارماں بھی نہ تھا

جیب کو خود دستِ وحشت نے گریباں کر دیا
اس سے بڑھ کر کچھ علاجِ چاکِ داماں بھی نہ تھا

کشتیِ عشق و وفا ڈوبی مری ساحل کے پاس
جس جگہ زورِ ہوا اور شورِ طوفاں بھی نہ تھا

بزم میں شیخ و برہمن سب نظر آئے مگر
درمیان ابنِ آدم کوئی انسان بھی نہ تھا

میں نسیمِ صبح ہوں بکھرا ہوں خوشبو کی طرح
مجھ سے پہلے صحنِ گلشن یُوں گل افشاں بھی نہ تھا

ناوکِ غم کوئی حیلہ نہ بہانہ جانے

ناوکِ غم کوئی حیلہ نہ بہانہ جانے
وہ بہرحال مرے دل کا نشانہ جانے

تیرِ قاتل تو فقط اپنا نشانہ جانے
دردِ غم ترچھی نگاہوں کا بہانہ جانے

کچھ بہاروں کی رعایت تو کرو میرے لئے
پھر خزاں بیت گئی سارا زمانہ جانے

میں نے مانا کہ تغافل میں ترے ناز بھی ہے
کیا میرے دل کا مگر کوئی فسانہ جانے

مستیٔ شب بھی افسردہ ہے ابھی ترے بغیر
یا تو میں جانوں گا یا سوزِ شبانہ جانے

میں تو آہٹ پر تیری کان دھرا کرتا ہوں
تیرے چلنے کی ادا تیرا دِوانہ جانے

اب کِسے یاد کروں جب بھی کبھی یاد کروں
تیرے پرتو سے پرے دل نہ ٹھکانہ جانے

☆

قریب آکے زمانے میں ہم سفر کوئی

قریب آکے زمانے میں ہم سفر کوئی
ہمارے سوز میں پیدا کرے اثر کوئی

کسی کی شوخ اداؤں نے ہم کو روکا تھا
ملا زمانے میں ہم کو بھی دیدہ ور کوئی

فضول شوق زمانے میں لوگ رکھتے ہیں
ہمارے شوق میں شامل ہو باہنر کوئی

خیالِ رفعت و عظمت بنے رفیق اپنا
سفر کی دھن میں رہے تاکہ ہم سفر کوئی

غریبِ شہر پریشاں ہے آج مثلِ کلیمؑ
شعیبؑ آئے زمانے میں اب نظر کوئی

نسیمؔ تیری طرح ضبطِ رنج و غم کے لئے
کہاں سے لائے گا تیرا دل و جگر کوئی

عجیب کرب میں اب کے بہار گزرے گی

عجیب کرب میں اب کے بہار گزرے گی
چمن میں بادِ صبا بے قرار گزرے گی

جو مستیوں میں صبا پُرخمار گزرے گی
تو شبنموں کی طرح اشک بار گزرے گی

تیرے خرام کی مانند دورِ چرخ بھی ہے
یہ لہر وقت کی کچھ خوشگوار گزرے گی

مقامِ صبر سے آگے کوئی مقام نہیں
کہ پُرخلش سی شبِ انتظار گزرے گی

اسیر پنجۂ شب ہے جو روشنی اِس دم
سحر کے وقت سرِ ریگزار گزرے گی

خزاں میں دم ہی نہیں روک لے جو راہِ چمن
بہار گزرے گی اور بار بار گزرے گی

قفس کو مرغِ گلستان نے آشیاں جانا!
نسیم صبح نہ اب سوگوار گزرے گی

☆

نگاہِ پارسا کی وہ پذیرائی نہ کام آئی

نگاہِ پارسا کی وہ پذیرائی نہ کام آئی
سکونِ دل کو میری بادہ پیمائی نہ کام آئی

تجھے مسحور کر ڈالا تھا دولت کی نمائش نے
جنونِ شوق کی لیکن وہ ہرجائی نہ کام آئی

مجھے دیوانہ کرلیتا ترے کردار کا جادو
تری نسبت کوئی سعیِ تمنائی نہ کام آئی

کہاں تک ڈھونڈتا تیرے نشانات و علائم کو
تلاشِ حسن میں گلگشت صحرائی نہ کام آئی

دلِ مضطر کو ہر دم تھی تلاشِ بیکراں تیری
مگر راہِ وفا میں آبلہ پائی نہ کام آئی

وہاں تک میں نے اکثر جاکے سعیِ آرزو کی ہے
مگر کوئے محبت میں شناسائی نہ کام آئی

تجھے منظور تھا دنیا کی شادابی کا سامان ہی
نسیمِ صبح سے تیری وہ یکجائی نہ کام آئی

☆

جن سے امیدِ وفا تھی وہ گئے

جن سے امید وفا تھی وہ گئے
دلربا جن کی ادا تھی وہ گئے

وہ نہایت ہی بلند انسان تھے
فکر بھی جن کی رسا تھی وہ گئے

ان کی دنیا میں کوئی اور آیا
مجھ کو محرومی روا تھی وہ گئے

بے مزہ جینے سے حاصل کیا ہے
چارہ گر جن کی وفا تھی وہ گئے

کس سے تہذیبِ چمن اب ہوگی
جن کی مٹھی میں صبا تھی وہ گئے

واہ تاثیر ہے الٹی کیسی!
جس گھڑی لب پہ دُعا تھی وہ گئے

کیوں جئیں کیسے جئیں آہ نسیمؔ!
ہاتھ میں جن کے شفا تھی وہ گئے

☆

ترے فراق میں راتیں بڑی گراں گزریں

ترے فراق میں راتیں بڑی گراں گزریں
خیال و خواب ہوئی ہیں جہاں جہاں گزریں
زمانے والوں کے ہاتھوں جو سختیاں گزریں
میری طرح سے کسی اور پر کہاں گزریں

بنایا تری محبت کا آشیاں دل میں
اگرچہ بار ہا اس پر سے بجلیاں گزریں
وہ تیرے حسن کا عالم تیری ادا کا سرور
کہ تجھ سے خلد کی حُوریں بھی بدگماں گزریں

وفورِ عشق سے شاداب چند صدیاں تھیں
وہ ساعتیں جو مرے تیرے درمیاں گزریں
نسیم راہ پہ وہ آتے آتے آئے گا!
کہ منزلیں تو بہت بہرِ امتحان گزریں

درد تیرا تھا شریکِ غمِ دوراں نہ ہوا

درد تیرا تھا شریکِ غمِ دوراں نہ ہوا
میں کسی اور کا شرمندۂ احساں نہ ہوا

اک غزل اور سہی ہجر میں اے دوست تیرے
میں سراپا تیری قربت سے گریزاں نہ ہوا

ہر نفس مجھ پر جو بیتا وہ بنا کوہِ گراں
تیری الفت کی سزا سے میں ہراساں نہ ہوا

مجھ کو اب کوئی بھی ہمراز نہیں آتا نظر
مہرباں مجھ پہ ترا سایۂ ارماں نہ ہوا

تپشِ سوز سے خالی مرے اشکوں کے طفیل
کوئی گھر بستی میں تری کبھی ویراں نہ ہوا

اے نسیم اس چمنِ ناز میں کیا گُل کھلتے
یہ تو اچھا ہی ہوا میں جو غزل خواں نہ ہوا

دیوانگی کا شوق تھا دیوانہ بن گئے

دیوانگی کا شوق تھا دیوانہ بن گئے
افسانہ کہہ رہے تھے کہ افسانہ بن گئے

مثلِ خلوص شوق کا پیمانہ بن گئے
کچھ لوگ نذرِ شورشِ میخانہ بن گئے

محوِ نظارہ تھے تو طلب غم کی ساتھ تھی
اک گلستان کے شوق میں ویرانہ بن گئے

میرے نصیب کی یہ جھلک دیکھ لیجیے
میرے جو ہم نشین تھے بیگانہ بن گئے

ہم بھی نسیم یاد کریں ان کو بار بار
اپنے جو ہم سفر تھے وہ بیگانہ بن گئے

موسم کی اداؤں میں اِک شوخ ادا ہوتی

موسم کی اداؤں میں اِک شوخ ادا ہوتی
کچھ دور تلک جاتی گر تیری صدا ہوتی

سب خواب ادھورے سے روٹھے ہیں تو اچھا ہے
تعبیر کہاں پاتے جب نیند خفا ہوتی

اِس گلشنِ ارضی میں بس تری کمی دیکھی
کس درجہ یہ مدہوشی بس ہم کو روا ہوتی

ناکام سے خوابوں کو تعبیر کے پردوں میں
اک خواہشِ افسردہ اس غم کے سوا ہوتی

ہاں مانا یہی ہم نے ناکامِ وفا ٹھہرے!
کچھ اور ستم پیشہ الفت کی سزا ہوتی

مر کے بھی میسّر ہو گر عشق کی بے تابی
اس شوخ تبسّم کی حامل جو ادا ہوتی

منظور تھا فطرت کو بس مجھ کو ہی تڑپانا

منظور تھا فطرت کو بس مجھ کو ہی تڑپانا
ورنہ غمِ الفت میں دل میرا تھا دیوانہ

وہ شوخ اداؤں کا حامل تھا میرا ہمدم
میں شمعِ محبت کا بے تاب سا پروانہ

میں جان نہیں پایا اندازِ تبسّم کو
اپنا جسے سمجھا تھا مجھ سے تھا وہ بیگانہ

اس ہستی انسان کا کوئی سا بھی عنوان ہو
کیوں سوزِ تمنّا کا خالی رہے افسانہ

محرومِ تماشا ہوں کیوں کر میں نسیم اب بھی
گو حکمتِ دنیا میں بنتا رہا فرزانہ

یہ مکر و زور، یہ نخوت، یہ کشت و خون کیا ہے

یہ مکر و زور، یہ نخوت، یہ کشت و خون کیا ہے
برا نہ مانے زمانہ تو میں کہوں کیا ہے

ستم شعار بہاروں کا کیا گلہ کرتا
بہار آنے سے پہلے میرا جنون کیا ہے

بہت ہے سہل کہ خوابوں میں بات ہوتی ہے
یہ سب فسانہ فرہاد و بے ستون کیا ہے

نہ رک سکا ہے کسی سے نہ رک سکے گا کبھی
یہ ولولہ میرے دل کا ہے سیلِ خوں کیا ہے

تری وفاؤں کا میں امتحان کرلوں گا
وگرنہ تیری اداؤں کا یہ فسوں کیا ہے

بہت زمانے میں مشہور ہے یہ عشق و وفا
سناؤ میں بھی زرا داستان سنوں کیا ہے

دعا تو منزلِ تاثیر پہ ہی دم لے گی
یہ سنگِ راہ بنا چرخِ نیلگوں کیا ہے

☆

کام یہ اب کے، سوچا کرلیں

کام یہ اب کے سوچا کرلیں
توبہ، توبہ توبہ کرلیں

روزانہ تم کیوں ملتے ہو
اک دن، دو دن ناغہ کرلیں

کس کو خبر تھی ہم بگڑے ہیں
تم نے سوچا چرچا کرلیں

راحت ملتی قسمت میں کب
غم کا کیسے سودا کرلیں

مل کر تم بھی بچھڑ نہ جانا
بچھڑے تم تو ہم کیا کرلیں

عشق میں تازہ پن کے لئے ہم
خواب میں، تھوڑا جھگڑا کرلیں

عشق کی ناکامی کا بیان ہو
دنیا کو بھی رسوا کرلیں

ساتھ زمانے کو بھی لے کر
آؤ برے کو اچھا کرلیں

عشقِ خدا میں آنکھیں اپنی
اشکوں سے اب دریا کرلیں

تم جیتے اور ہار گئے ہم
قسمت اپنی پھر کیا کرلیں

صبح ہوئی تو شام بھی ہوگی
ملنے کا پھر وعدہ کرلیں

شوقِ مسلمان بس اب اتنا
دنیا والے واہ وا کرلیں

جو بھی کہے کہنے دو نسیم اب
دنیا کی کیا پروا کرلیں

میرے جمال محبت کے پاسباں تم ہو

میرے جمالِ محبت کے پاسباں تم ہو
مرے خیال کی دنیا کی کہکشاں تم ہو

صدائے درد سُناؤں تو یاد آئے گا
میرے حریمِ محبت کے رازداں تم ہو

سنبھل سکوں گا کبھی میں کہہ نہیں سکتا
میرے زوالِ عزائم کے اِک نشاں تم ہو

تمہارا جیسا مرا عزم تیز گام کہاں
کہ منزلوں کی طلب میں رواں دوان تم ہو

تمہیں سے مری حدی خوانیوں کا رُتبہ ہے
میں کاروان میں ہوں اور میرِ کارواں تم ہو

شدید دھوپ کی مانند یہ زمانہ ہے
مسافروں کے لئے سرد سائباں تم ہو

اندھیرا اور بڑھا ناامیدیوں کے سبب
یہ گہری رات بتاتی نہیں کہاں تم ہو

نسیمؔ عشق میں ناکامیوں کا حاصل کیا
وہ عیش میں ہے مگن اور بے اماں تم ہو

یہ کیسے کہوں تیرا گنہگار نہیں ہوں

یہ کیسے کہوں تیرا گنہگار نہیں ہوں
پھر بھی میں سزا پانے کا حق دار نہیں ہوں

میں الفتِ معشوق کا اظہار نہیں ہوں
محرومی کا اے دوست سزا وار نہیں ہوں

ہر ساز پہ موقوف نوا سنج زمانہ
زنجیر کا میں حلقۂ خم دار نہیں ہوں

ہاں مجھ کو ہے محکومی کا اقرار ازل سے
پر حاملِ عزت ہوں کوئی خوار نہیں ہوں

مستانی سی اِک موج ہے گو میری جوانی
کشتی کو جو لے ڈوبے وہ منجدھار نہیں ہوں

بیگانہ ہوں دنیا سے تو عُقبیٰ سے ہو بجان
ہاں پھر بھی میں دھرتی کے لئے بار نہیں ہوں

اس شوخ نے دیکھا تھا میری سمت نسیم آج
معلوم یہ ہوتا ہے کہ بیدار نہیں ہوں

☆

وحشی راتیں وحشی موسم

وحشی راتیں وحشی موسم
راہیں سنسان گُم سُم آدم

کس کو پکاریں اپنا کہہ کر
ٹکرائیں آوازوں سے ہم

ایسی وحشت ایسی دہشت
آتا ہے دم جاتا ہے دم

فخر کریں ہم خود پر کیسے
ہونے کو ہے سر اپنا خم

روکے خود کو خود ہی ہم سے
خود ہی ساتھی خود ہی ہمدم

راہوں میں پامال سا دیکھا
حُسن تھا جن کا رشکِ عالم

ایسی وحشت کبھی نہ دیکھی
کیسی وحشت کا یہ عالم

دل کی حالت ہر دم سُونی
ایسا ہے غم ویسا ہے غم

کس نے چھینا ہم کو خود سے
کیسا تنہائی کا یہ عالم

☆

دلِ کی حسرت کا تماشا سرِ بازار ہوا

دل کی حسرت کا تماشا سرِ بازار ہوا
وہ تمنّا سی تمنّا میں طلب گار ہوا

وہ حسین وقت تھا جو کیف سے سرشار ہوا
راز برسوں کا کُھلا عشق کا اقرار ہوا

ترے دیدار کا یارا تو نہیں ہے اے دوست
آرزو کر کے میں واللہ گنہگار ہوا

شرفِ دید نے ہر لفظ کو رنگین کیا
تُو نے خط میرا پڑھا صورتِ گلزار ہوا

خوبصورت تھیں ادائیں تو جفائیں توبہ
اس کی سیرت نے کیا سحر میں بیمار ہوا

وہ تصور کی طرح خوابِ پریشان میں مقیم
جب کھلی آنکھ تھی میری، نہ میں بیدار ہوا

وقت پایا تھا بہت خود کو سمجھنے کے لئے
ایسا لگتا ہے کہ جو پایا سو وہ بیکار ہوا

زندگی کے لئے حوصلہ کتنا تھا نسیمؔ
جتنا میں چاہتا تھا اس کا نہ اظہار ہوا

ہیں اپنے لوگ کتنے خوش اخلاق دوستو

ہیں اپنے لوگ کتنے خوش اخلاق دوستو
چہرہ بدل کے ملنے میں ہیں طاق دوستو

موجِ نسیم، شوق سفر، سوز بیکراں
یہ لوحِ زندگی کے ہیں اسباق دوستو

فردا کے وعدے سے میں کہاں مطمئن ہوا
اب بھی ہوں چشمِ ناز کا مشتاق دوستو

جب بھی کسی نے پوچھ لیا میرے غم کا حال
دل کے لئے ہوا ہے بہت شاق دوستو

میں رات کے اندھیروں کا ایسا رہا اسیر
قسمت سے پا سکا نہیں اشراق دوستو

اک وقت تھا رفیق سو ڈس کر چلا گیا

اب کون دیگا زہر کا تریاق دوستو

اب دے رہے ہیں درسِ صداقت وہی مجھے
مکر و فریب میں ہیں جو مشّاق دوستو

خود ہی نسیم اپنی خودی کا ہے پاسباں
اُس کا خدا ہے حافظ و رزّاق دوستو

صبح اور دِلکش ہوائیں ساتھ ساتھ

صبح اور دِلکش ہوائیں ساتھ ساتھ
جیسے ہوں ماں کی دعائیں ساتھ ساتھ

شبنموں پر چلچلاتی دھوپ میں
تیز موسم کی سزائیں ساتھ ساتھ

گلشنِ رنگین فضا رنگین ادا
بلبلِ نالاں، صدائیں ساتھ ساتھ

بارشیں، بھیگی فضا، جلتے بدن
وعدے قسمیں اور وفائیں ساتھ ساتھ

دوستی کر لے ذرا حالات سے
آؤ دنیا آزمائیں ساتھ ساتھ

ریت پر موجِ ہوا سے بے نیاز
اک نئی بستی بسائیں ساتھ ساتھ

صبح خود بھر دے گی تعبیروں کے رنگ
خواب کے پیکر بنائیں ساتھ ساتھ

غُنچہ و گُل منتظر ہیں دیر سے
کیوں نہ ہم تم مسکرائیں ساتھ ساتھ

شدتِ غم اور تبسّم اے نسیم
دھوپ اور ٹھنڈی ہوائیں ساتھ ساتھ

☆

کوئی آندھی کوئی طوفان ہی نہیں

کوئی آندھی کوئی طوفان ہی نہیں
دل میں جیسے کوئی مہمان ہی نہیں

بے کلی جان کی، دل کی دھڑکن
پیاس کا کوئی بھی عنوان ہی نہیں

بے وفائی کی نہ ہو گر لذت
پھر محبت کا تو امکان ہی نہیں

یاد رکھنے میں نہیں دشواری
بھول جانا تجھے آسان ہی نہیں

دل اگر کھونے کا یارا ہی نہ ہو
پھر تو پالینے کا امکان ہی نہیں

دلکشی کھو چکی صورت اپنی
آئینہ کیا ہے کہ حیران ہی نہیں

اب کہاں جائے مرا شوقِ جنون
دل سے بڑھ کر تو بیاباں ہی نہیں

عندلیبِ چمن دل تھا نسیم
جانے کیا ہے کہ غزل خواں ہی نہیں

رحمت کا پیغام ملا تھا

رحمت کا پیغام ملا تھا
وقت کو کچھ آرام ملا تھا

ابرِ کرم تھا سایہ سایہ
پیکر، ذی اِکرام ملا تھا

کس کو دیکھیں کیسے دیکھیں
درد کا ہر انعام ملا تھا

دل کا حال نہ پوچھو ہم سے
دیوانے کا نام ملا تھا

رہنا شاکر قسمت پہ تم
صبر کا حکمِ عام ملا تھا

جب تک ترا ساتھ رہا تھا
اپنوں کا اِکرام ملا تھا

اُفق پہ سورج چاند اور تارا
ہم سے وقتِ شام ملا تھا

تازہ خیالوں کے گلشن میں

شبنم کا اک جام ملا تھا

وقت کے ہاتھوں رونا دھونا
بیکاروں کو یہ کام ملا تھا

دل سے نسیمؔ اب وہ نہ جدا ہو
تم کو جو انعام ملا تھا

نظمیں
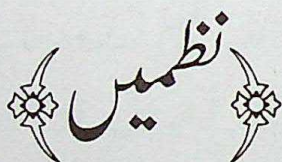
حسین لمحات کی یاد

وہ یادیں جب بھی کبھی یاد کی طرح آئیں
میں دل کو تھام کے بیٹھوں گا، سر کو پیٹوں گا

وہ غم زدہ سے اجالے خلا میں ابھریں گے
میں زلفِ شام کے وہ سایے یوں سمیٹوں گا

بہار جب کبھی آئے قرارِ دل ہو وداع
میں اپنی نظم کے دفتر کو یوں لپیٹوں گا

خیالِ یار تھا ہمدم وہ مہربان نہ ہوئے
وہ لب کشا تھے حقیقت میں ہم زبان نہ ہوئے

. . . .

وہ شاد کام سی حسرت لئے کریں آداب
میں بڑھ کے دستِ حنائی کو تھپتھپاؤں گا

وہ محوِ خواب رہیں اور میں رہوں بے خواب
اُنہیں کی یاد کے نغمے بھی گنگناؤں گا

صداقتوں کی طلسمی ہے وہ شمعِ محفل بھی
ڈھلے گی رات سحر ہوتے ہی بجھاؤں گا

بسی ہے دل میں فقط یاد اور کچھ بھی نہیں
لبوں پر آتی ہے فریاد اور کچھ بھی نہیں

. . . .

ادب تھا اس کا فرنگی ادا تھی البانی
دیارِ شوق میں لیلائے قیس کی ثانی

وہ شوقِ سیر کی دیوانی یاد آتی ہے
شرابِ عشق کی مستانی یاد آتی ہے

میں اس کے شوق کو دیکھوں کہ اپنی قسمت کو
کہاں چھپاؤں دلِ غمزدہ کی حسرت کو

. . . .

یہ وہ مقام جہاں پر کبھی کِیا تھا قیام
یہیں پر صبح ہوئی تھی یہیں پر آئی تھی شام
مسرّتوں کا مسلسل تھا التزام یہاں
محبتیں بھی برابر تھیں شاد کام یہاں
مگر وہ صبح تھی ہمدم نہ شام تھی دمساز

. . . .

میری فقیری کے دن راستے کے خار ہوئے
اگرچہ بعد کے لمحات خوشگوار ہوئے
بس اب تو یاد ہے باقی، تڑپتا رہتا ہوں
نسیم آتشِ ماضی میں تپتا رہتا ہوں

میرے اشعار کھو گئے

تم نے پہلی بار مجھ سے کہا
میرے اشعار کھو گئے ہیں کہیں؟
دل کے اسرار کھو گئے ہیں کہیں؟
میں نے کیا کیا گماں کئے دل میں

کیسے کیسے تراشے تھے الزام
کیسے کیسے خیال بدلے تھے
میں نے کیا کیا کہا تمہارے نام
جھوٹ، غفلت، فریب، مکّاری

ناز و غمزہ ادا، ریاکاری
ظلم، نخوت، ستم، دِل آزاری
سخت تکلیف مجھ پر گزری تھی
دل میں میٹھی سی ٹیس ابھری تھی

دل پریشانیوں میں ڈوبا تھا
پھر پشیمانیوں میں ڈوبا تھا

......

میرے اشعار جب ملے ہوں گے
تم نے دن رات انہیں پڑھا ہوگا

جان کر دوست، محرم و ہمراز
اپنا ہم دم بنالیا ہوگا

......

دھیرے دھیرے تمام شعر حسین
رگ و پے میں بکھر گئے ہوں گے

لفظ و جذبات اور میری خوشبو
روح میں سب اُتر گئے ہوں گے

سادہ کاغذ ہی رہ گیا ہوگا
سوچتا ہوں کہ سچ کہا تم نے

میرے اشعار کھو گئے ہیں کہیں
دل کے اسرار کھو گئے ہیں کہیں

تنہائی

اس دشتِ تنہائی میں کوئی میرا اپنا ہوتا
جس سے مل کر بات کرتے تنہائی کی
تنہائی بھی ہم کو ہر سو گھیر ہی لے گی
تنہائی کا حاصل کیا تنہائی ہے؟

......

ہم جب تنہا دنیا میں آئے
انسان سب تھے تنہا تنہا
تنہائی کے اس عالم میں
انسان تنہا رہ سکتا ہے کیا؟
تنہائی کے گہرے سایے
گھیر رہے ہیں تنہائی میں

......

کیا ہم تنہا خود کو کہہ کر
تنہائی کے حقدار ہوئے
آخر اس تنہائی کا درمان کیا ہے؟

تنہا کوئی اور بھی ہوتا

جس کو تنہائی ڈستی ہوتی

جب مل جاتے ہم دو تنہا

تنہائی دُوبالا ہوجاتی

پھر بھی اس تنہائی کے آگے

انسان تنہا سینہ سپر ہے

تنہائی گھیر ہی لے گی

ہم کو اس دشتِ تنہائی میں!

نیک فال

تم سے پہلے پہل میرا ملنا!
اک مبہم سوال ہے شاید؟
تم کو ہرگز نہ جان سکتا تھا؟
تم کو جانا، کمال ہے شاید!

چھوٹ جانا تمہارا آسان تھا!
بھول جانا، محال ہے شاید!
آج پھر یاد آرہے ہو تم
ٹھیک ہے، نیک فال ہے شاید!

کچھ آج ہے بے پردہ[1]

زندگی ایک حادثہ ہے
ایک واقعہ ہے
پل بھر کا
زندگی طوفان ہے
موسم ہے ساون کا

......

ساگر کی موجوں سے
پوچھے اگر کوئی
ہل چل کا مزہ کیا ہے؟
دیوانگیٔ ساحل
پروانگیٔ دریا
مستی کی لذت
افسردہ راتوں کا

۱۔ ۱۹۸۷ء میں مدراس میں سمندر کے کنارے لکھے گئے اشعار (حمید نسیم رفیع آبادی)

وہ سوزِ دروں ہے یہ

منظوم سے جذبوں کا

پیرایہ گو کچھ ہو

تصویر نمایاں ہے

بے دار ذہن والو

اقرار اگر کر لو

معلوم تمہیں ہوگا

کچھ آج ہے بے پردہ

قدرت کے نظاروں میں

ان مست بہاروں میں !

دریا کے کنارے پر رہ کر ذرا دیکھو !

ساگر کی مستی کو چھو کر ذرا دیکھو

معلوم تمہیں ہوگا

مستی کا ہے کیا مقصد؟

دریا کی روانی ہو

یا موج دیوانی ہو

سب کہہ رہے تم سے

حرکت کا بدل کچھ نہ

اوقات کے پنکھوں پر

ہونا ہے اگر قابض

تو چھوڑ ہی دینا ہے یہ

رنگ خزانوں کا

حرکت سے ممکن ہے دنیا کا

بدل دنیا، عقبیٰ کا بدل جانا

عنقا کا پتہ پانا؟

بے دار ذہن والو

اقرار اگر کرلو

معلوم تمہیں ہوگا

کچھ آج ہے بے پردہ

قدرت کے نظاروں میں

روح یا بدن؟

محبّتوں کی چتاؤں میں
خیال اپنا سنبھال کر میں
کہاں کہاں سے گزر گیا ہوں !
کہاں کہاں پر اُلجھ کے
ستم کی ٹھوکر، بچا کے آگے نکل گیا ہوں !
صداقتوں کے طلسموں میں، جان کھو کے اپنی
میں آ گیا ہوں !
کہ پا گیا ہوں سراغِ ہستی !

....

تمہاری آنکھوں کی جھیل میں اب نہا کے آؤں گا
یا نہ آؤں
تمہارے آنسو ہیں ہیرے موتی
گنوا کے ان کو رُلا نا نہ دینا

ستا نہ دینا

کرو جو دل آج کہہ رہا ہے

کہو جو دل آج کہہ رہا ہے

....

میری بھی قسمت کہاں کہاں

کدھر کدھر سے

پلٹ پلٹ کر سنبھل رہی ہے

جوانی کی رات ڈھل رہی ہے

مچل رہی ہے

مچل مچل کے سنبھل رہی ہے

....

مگر وہ سودا تمہارے دل کا کہاں ہوا ہے؟

نہ ہاتھ پھیلاؤ، میرے آگے

محبّتوں کی نہ بھیک مانگو!

زمانہ اب تو گزر گیا ہے!

بکھر گیا ہے تمہارے آنچل کا سرخ سا رنگ

بدل گیا ہے تمہارا دل بھی

اُداس چہرے پہ بے رُخی ہے

کہاں گیا ہے تمہارا جوبن؟
بچا کے مجھ سے جو لے گئے تھے!
کسی کے ہاتھوں میں دے گئے تھے!
وہ خواب تھے یا خیال تھے کیا؟
تمہاری معصوم سی ادائیں!
تمہارے ناز و ادا کے ناوک کہاں گئے ہیں؟
کدھر گئے ہیں؟
مجھے تو دیکھو کہ میں وہی ہوں!
وہیں کھڑا ہوں!
جہاں تمہاری سوال آنکھوں میں
جھانکنے کی سزا ملی تھی!
کھڑا وہی ہوں
جہاں تمہاری ''نہیں'' نے میری
لطافتوں کو ندامتوں میں
بدل دیا تھا!
جو چاہو تم رُوح فتح کر لو
کہ جسم کب کا فنا ہوا ہے!

☆

مسافر

اس طرح ہوگیا تو میری نظروں سے اوجھل
جیسے پہلے کبھی میں نے تجھے دیکھا ہی نہ تھا

اب کبھی خواب میں آجا کہ چلا آئے قرار
لوٹ آئے بہار!

میری مستی کے زمانے میں ہیں دن تھوڑے ہی
میں پریشان سا ہوں سالکِ راہِ الفت

میری ہر یاد میں پنہاں ہے تیرے غم کا دھواں
میرے ہر شوق میں پوشیدہ تیری شوخ روی

میرے ہر درد کا درماں ہے تیری خوش نظری
میں سنور جاؤں کبھی تیری دعاؤں کے طفیل

میں جو بیمارِ محبت ہوں فقط تیرے طفیل
میرے ہر خواب میں تو کیوں نہ رہے گا مہمان؟

میری ہر یاد میں تو کیوں نہ رہے گا ساتھی؟
میرے ہر درد میں تو کیوں نہ رہے گا مونس؟

میرے ہر ساز میں تو کیوں نہ رہے گا شامل؟
میں نہ سرمایہ کی لالچ تجھے دے سکتا ہوں!

نہ کسی عظمتِ رفتہ سے خریدوں گا وقار!
میں مسافر ہوں مسافر کی طرح زندہ ہوں!

دل میں طوفانِ محبت کو رواں رکھتا ہوں!
میرے ہر ریشہ و رگ میں ہیں محبت کا سرور!

میرے ہر شعر کے پردے میں ہے پوشیدہ حضور!
میں خیالات کی عظمت کا شہنشاہِ اکبر

پھر بھی ہوں غم کی ڈھیر پہ تنہا درباں!
تیری یادوں کا نگہدار و نگہباں جیسے!

میری تنہائی کا ہمراز ہے غم میرے لئے
کیا خبر کچھ خبر درد بھی ہو تیرے لئے!

کارواں

چھوڑ کے ان کو دُور چلا ہوں

دشت وصحرا

جلتی سڑکیں

نیلے چشمے

اونچے پربت

کیا کہتے ہیں؟

چپکے چپکے!

خوابوں کے اس ویرانے کا عکس بھی اُبھرے!

تو مسکاؤں

من ہی من میں

میرا جوبن، میرا گلشن

خوابوں کا میرے ٹوٹے درپن

درد کا سودا پھیکا پھیکا!

رنگ ہے دل کا بکھرا بکھرا!!

بجھی ہوئی اِک آگ اُدھر ہے

لحنِ حُدی کا راگ اِدھر ہے

اسی طرح سے قافلے کتنے

گزرے ہیں!

ایک نثری نظم

خاموش فضا میں
جب کوئی خوفناک دستک ہوگی
اور میرے احساس کے بے نام دروازوں پر
جب کوئی آہٹ چونکے گی
تو میں سمجھوں گا
جیسے ہی رس بھری لے، مدھر تان
میرے محبوب کی ہے!
مگر سوچتے سوچتے سمندر کی گہرائی
اور آکاش کی وسعت والے اس عالم تخیّل میں
کچھ اور نقش ابھریں گے
اور وہ دبی آواز دل کی دھڑکن بنتے بنتے رہ جائے گی
غموں کا سیلِ رواں اپنی پُرشور لہروں کی فوج لئے
اس آواز کو مدھم کر دے گا!
یہی حال ہے محبت بھرے دل کا
اس نگار خانے میں من کی آواز دب کر رہ جائے!

☆

تنہائی

دنیا کیا ہے تنہائی ہے؟

لے کے حیات آئی ہم کو

اس دشتِ تنہائی میں!

تنہا ہم تھے تنہا تھا آکاش ہمارا!

اُفق پہ وہ صبح کا تارا!

تنہا تھا جگ یہ سارا!

جب تنہائی دور ہوئی!

خود کو پھر بھی تنہا پایا!

انسان جو ہوں

انسان ہونا خود کو کہہ کر

رشتوں میں ہے جکڑا جانا

کوئی امّاں کوئی ابّا

کوئی خادم کوئی آقا

کچھ تو رشتے دور کے ٹھہرے

کچھ ہیں ساتھی اپنے غیرے!

موت نے چھینا ہم سے سب کو!

پھر ہے تنہا، تنہائی ہے!

دنیا کیا ہے تنہائی ہے!

تنہائی پر تنہائی ہے!

قبر میں پہنچا تنہا تنہا!

حشر کو لپکا تنہا تنہا!

لے کے حیات آئی ہم کو!

پھر اس دشتِ تنہائی میں؟

انجانے گاؤں شہروں میں

اک انجانا رشتہ ہے یہ
اک انمول سا تحفہ دے دو
کیوں کر ہم سے بچھڑ گئے تم
اپنے گھر کا پتہ دے دو

ڈھونڈوں گا ورنہ تم کو بھی
انجانی سی ان سڑکوں پر
ہر دم ہر پل میں کھوج لگاؤں گا
انجانے گاؤں شہروں میں

ملنے مجھ سے تم خود آؤ
ورنہ میں بھی صحراؤں کے ذرّے چھانوں گا
دریاؤں میں کود پڑوں گا
مل کر مجھ کو اپنا لو نا

ورنہ میں بھی کھوج لگاؤں گا
انجانے شہروں گاؤں میں

تم ہم کو گر بھول گئے تو
بھولیں گے جگ والے ہم کو

میں کیسے تم کو اب سمجھاؤں
جان کے پڑے ہیں لالے مجھ کو
چھوڑ دو اب یہ ہجر کی باتیں
ورنہ میں بھی کھوج لگاؤں گا
انجانے گاؤں شہروں میں

اب تو زمانہ آگے نکلا
قائم ہم ہیں موڈ پہ اپنے
کب تک راہ تمہاری دیکھوں
بن کے سایہ گزر نہ جانا

ورنہ میں بھی کھوج لگاؤں گا
انجانے گاؤں شہروں میں

الفت کو خود پہچانو
میری باتیں کچھ تو مانو
بے غرضی کو میری جانو
دنیا سے کیا لینا دینا

جب ہے تم کو پیار ہی کرنا
ترپاؤ نہ اب تم مجھ کو
ورنہ میں بھی کھوج لگاؤں گا
انجانے گاؤں شہروں میں!

انتظار ترا مجھے قبول تو ہے!

مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!

ہزار بار خزاں کے بعد بہار آئی!

ہزار بار ترا انتظار کیا!

مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!

مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!

جنونِ شوق کا عجیب عالم ہے!

ہمارے سوز میں بے پناہ طلاطم ہے!

تمہارے عشق کا کچھ اور ہی تصور ہے!

مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!

مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!

ستم سہے ہیں ستم سہیں گے

حرفِ شکایت کسی سے بیان نہ کریں گے

مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!

مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!

نہیں نہیں جسے وفا کا ذرا پاس بھی ہو؟
نہیں نہیں جو غم کی لذتوں سے آگاہ ہو؟
وہ کیسے خواب میں آ کے چرائے نیند میری؟
خیال اور سہی!
مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!
مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!
وہ شبنموں کی طرح دل کے آنگن میں!
برس پڑے تو خوشبوؤں کی طرح!
ہماری اجڑی زمینوں میں گُل کھلائے گا!
وہ رات کی سرد سرد چھاؤں میں!
ہمارے سوز کے نغموں میں گُنگنائے گا!
مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!
مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!
وہ، وہ نہیں جو خود اداس نہ ہو!
وہ آنسوؤں کی گھٹاؤں کا ایک نیل گگن!
وہ غم کے سمندر میں تیرنے والا!
مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!
مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!

وہ ہم کو شاد کرے یا اُداس کرے!

اُس کے ہاتھ میں تقدیر سونپ کر اپنی!

امید اور خوشی کا سودا کرلوں!

مجھے قبول تو ہے انتظار ترا!

مگر یہ تاخیر کچھ جان لیوا ہے!!

رات دن

نہ ہو جو دن، نہ سہی رات لیکن اپنی ہے!
تجھے ہو دن مبارک، ہمیں ہو رات نصیب!
ہماری سلطنتِ شب نہ چھیننا ہم سے!
علاوہ اس کے جو تو چاہے بخش دیں گے ہم؟

یہ رات کیا ہے؟
بڑی عظیم ہے رات!
یہ رات بزمِ عقیدت کو جگمگاتی ہے!
یہ رات چشمِ مناجات کو رلاتی ہے!
ہمارے راز کی پردہ داری نہیں کرتی!
ہمارے سوز کو عریاں کبھی نہیں کرتی!
یہ رات شوخی و مستی سے مسکراتی ہے!
ہماری مستیِ شب سے جہاں ہے نالی ترا؟
فرازِ نالۂ شب سے نہیں ہے تو آگاہ؟
تو ذوقِ لذتِ آہِ سحر کو کیا جانے؟
تجھے ہو دن ہی مبارک
ہمیں ہو رات نصیب!

ہم بھی کیسے خاکی ٹھہرے!

بن میں رہ کر بن کو اُجاڑیں
ہم بھی کیسے ہاتھی ٹھہرے
بیر مگرمچھ سے دریا میں
ہم بھی کیسے آبی ٹھہرے
خاک کو مسکن اپنا بنایا
خاک سے پھر بھی عاری کیوں ہیں!
ہم بھی کیسے خاکی ٹھہرے!

اِک ترا غم اور میں تنہا ہوتا

میرے دل کا سودا ہوتا
لیکن سودا وہ کیا ہوتا
تیشہ تیشہ کوہ کنی؟
ذرّہ ذرّہ دشت نوردی؟
قطرہ قطرہ ذوقِ چناب؟
یا یہ سب کچھ بھی نہیں، بس خالی سودا ہوتا
کوئی نہ ہوتا
ایک تماشا ہوتا
اک ترا غم اور میں تنہا ہوتا!

انجانا خوف

ابھی آہِ سحر گاہی سے پہلے
ہے سکوتِ شب!
بہت چُپ عابدِ شب ہے!
اکیلے اور تنہا کی حضوری میں
نہ کوئی غم نہ کوئی دکھ نہ بے کیفی
نہ فقروں کا تلاطم ہے نہ لفظوں کے تھپیڑے ہیں
نہ موجِ تلخ کامی ہے
نہ بادِ تند کی گرمی نہ گردابوں کی سرگرمی
نہ موسم کوئی پت جھڑ کا
بس اِک شاداب سناٹا
فقط خوشبو ہی خوشبو ہے
فقط مستی ہی مستی ہے
حواس و ہوش میں کیف و نشاطِ بادۂ عرفاں
مگر ڈر لگ رہا ہے

اگر کوئی دریچہ کھول کر آئے

یہ سب کیف ونشاط بادۂ عرفان چُرا کر لے جائے

چُپکے سے

تو پھر کیا ہو؟

وہی دُکھ درد کی دنیا

وہی بے کیف سی دنیا

☆

ایک نثری نظم

اے بنتِ حوّا

اے بنتِ حوّا، اے رحیلِ ارض سفّال
اے گناہوں کی گردن میں گہنے کی طرح
چمکتے جوہر کی طرح!!
اُلجھتے دامن میں کانٹے کی طرح؟
سلگتے دل میں یادوں کی طرح؟
اک سوزِ درُون!
ترا اگر ساتھ میسّر ہوتا؟
دنیا میں پھر مشکل کیا ہوتا؟
میں تو ساگر میں کوُدوں تنہا!
صحراؤں کو چھان ماروں تنہا!
سطحِ گیتی کو ناپوں تنہا!
اور کشتئ حیات کو کنارے لگاؤں تنہا!
اے بنتِ حوّا اے رحیل ارض سفّال!

☆

مونالیزا

اس تبسّم کے میں صدقے!

مری جان حاضر ہے!

یہ تبسّم جو لبِ غنچہ پہ لے آئے بہار!

یہ تبسم جو کرے قطرۂ شبنم میں سمندر تخلیق!

یہ تبسم جو حضوری میں ہے غیبت کا نشاں!

بے پناہ حُسن کے اسرار کا ہے گنجینہ!

یہ تبسّم جو ستاروں کی تنک تابی ہے!

چاند سورج کی ضیاباری ہے!

کبھی نظارہ کبھی دید و شنید؟

کبھی حسرت کبھی ارمان و اُمید؟

سوچتا ہوں کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں؟

میری شہنازِ قصائد، میری ناہیدِ غزل

یہ تبسّم ترے ہونٹوں پہ اگر آجاتا؟

دائمی حسن مکمل ہو کر

سرمدی نقشِ وفا بن جاتا؟

یادوں کا شہر (علی گڈھ[1])

یادوں کا شہر!
علی گڈھ جس کو کہتے ہیں
بن دیکھے میرے ارمانوں کا گلشن
انجانے، بیگانے سب ہیں اپنے
سب اپنا تصور، اپنی امیدیں لے کر آتے ہیں
راہ یہی ہے پر منزل کیا ہے؟
کیا معلوم.....!
کھیت یہی ہے پر فصل ہے کیا؟
کیا معلوم.....!
صبح یہاں کی رشکِ فلک ہے
شام یہاں کی ایک دھنک ہے
حسن کی گھاتیں
عشق کی باتیں

.....

۱۔۱۹۸۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حصولِ تعلیم سے فراغت کے بعد لکھے گئے اشعار۔ (حمید نسیم رفیع آبادی)

چاندنی راتیں!!

بزم فدا کاری میں جلتی شمعِ وفا

خون پسینہ، علم و فن کے سب ساتھی

غربت دُکھ اور غم میں سارے شریک

روح و بدن کے سب ہمدم

عشق و جنون کے سب ہمراز

یادوں کا شہر ہے شہرِ سیّد

جس کو علی گڈھ کہتے ہیں!

سوال[1]

یہ کسی کے واسطے ہے منتظر فروغِ نظر!
اسی خیال میں گزرے گی زندگی اپنی!
اسی سوال کی پیچیدہ گھتیاں بن کر!
گزر رہی جائیں گے یہ شب و روز یہ شام و سحر
غلط ہے شوق تو ناپید ہے خودی کا سراغ؟
کہ دل کو رسمِ کہن سے ہے کچھ عداوت سی!
وہ پہلی سی محبت
وہ عہد رفتہ کی الفت
لگاوٹوں کا زمانہ کہاں سے آئے گا؟
مرے سوال اب تک جواب تشنہ ہے؟
میں کس سے پوچھوں محبت کی ماہیت کیا ہے؟
وفورِ شوق کا مطلب؟
سکونِ قلب کا مقصد؟

ا۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے مادیت اور الحاد پرور ماحول میں لکھے گئے اشعار۔ جو ۱۹۸۹ء میں لکھے گئے ہیں۔ (حمید نسیم رفیع آبادی)

جواب کس سے ملے؟

سبھی زمین سے لپٹے خیالِ زر میں مگن!

سبھی کے سر پہ ہے آسیب، خوف سایہ فگن

سبھی کی آنکھوں میں آنسو

لبوں پہ آہیں ہیں

نہیں ہے آہِ سحر

یہ کس کے واسطے ہے منتظر فروغِ نظر؟

مرے سوال کا اب تک جواب تشنہ ہے!

مدد کر اے معبود!

مدد کر اے معبود!!

تجھے ملال نہ ہو

تجھے ملال نہ ہو میری بے رخی کا فضول!

کہ میں ہوں اپنی ہی غفلت کا کُشتہ و مقتول!

قتیلِ ظلم و جفا بن کے میں نے دیکھا ہے!

شہیدِ ناز و ادا بن کے میں نے دیکھا ہے!

رہینِ صبر و رضا بن کے میں نے دیکھا ہے!

کہ عشق، حسن کے معیار پر نہیں اُترا!

ابھی کچھ اور تمنائے حُسن باقی ہے!

ابھی کچھ اور تقاضا ہے میری چاہت سے

سو وہ بھی ہوگا، زمانہ قرار تو بخشے

ذرا سی مہلت و فرصت مجھے نصیب تو ہو

ذرا سا اور تجھے انتظار کرنا ہے

میں کچھ کہوں نہ کہوں پھر بھی یہ حقیقت ہے

تری وفاؤں میں پوشیدہ میری قوّت ہے

یقین جان کہ تری مجھے ضرورت ہے

تجھے ملال نہ ہو میری بے رخی کا فضول

کہ میں ہوں اپنی ہی غفلت کا کُشتہ و مقتول

عید کچھ ادھوری ہے

آج یہ عید کچھ ادھوری ہے
تم نہیں ہو تمہاری یاد آئی
یاد آئی مجھے رُلانے کو
گرچہ عید آتی ہے ہنسانے کو
لوگ اک فرحت و خوشی کے ساتھ
جا رہے ہیں نماز پڑھ پڑھ کے
مل رہے ہیں گلے مسرّت سے
لب پہ ہے عید کی مبارک باد
میں انہیں دیکھتا ہوں حسرت سے
اجنبی ہوں گلے ملوں کس سے
کس شناسا کو دوں مبارک باد
آج یہ عید کچھ ادھوری ہے
کاش تم ہوتے سامنے میرے
تم کو مل مل کے تہنیت دیتا

پیش کرتا وفا کے نذرانے

چند قول و قرار بھی ہوتے

کل کے وعدے ہزار بھی ہوتے

خواب بُنتے نئے زمانے کے

لیکن ایسا نہیں ہے کچھ بھی نہیں

تم نہیں ہو تمہاری یاد آئی

آج یہ عید کچھ ادھوری ہے

آج بہتر ہے صبر کر لینا

میں خدا سے دعائیں کرتا ہوں

عید یہ اگلے سال جب آئے

تب کہیں یک زبان، ہم دونوں

عید ادھوری نہیں ہے پُوری ہے!

اس شہرِ خموشاں میں ہستی کے نشان دیکھے
اس شہر کے کوچوں میں سب لوگ جوان دیکھے
ہر غنچہ تبسّم ہے، ہر پھول مسّرت ہے
ہر خار میں آہوں کے آثار عیاں دیکھے
ساحل کی ترائی میں تہذیب کی شادابی
ساگر کے تموّج میں عظمت کے جہاں دیکھے
پتھر کے ستونوں پر اسلاف کے ہاتھوں سے
ٹُوٹے ہوئے کھنڈر پر صنعت کے نشان دیکھے
ارمانوں کی کھیتی کو ہر سمت ہرا پایا
امیدُوں کی جنّت کے امکان عیاں دیکھے
کھوئے ہوئے شاہین کو میں ڈھونڈ نہیں پایا
کرگس کے مگر ساتھی ہر سمت رواں دیکھے
تعبیر ہو ممکن کیوں اس غولِ بیابان کی
خاموش سے پتھر بھی مصروفِ زباں دیکھے

ا۔ ۱۹۸۶ء میں حیدر آباد کے مسلم آثارِ قدیمہ کی زیارت کے دوران لکھے گئے اشعار (حمید نسیم رفیع آبادی)

سمرقند کی کلی[1]

بنتِ کہسار، سمرقند کی معصوم کلی
بے اثر کیوں ترے اسلاف کے سب وار ہوئے

اپنے مذہب سے ہم اس طرح جو بیزار ہوئے
دین و دنیا میں بہر حال زیاں کار ہوئے

نوحہ گر دل ہے تو مغموم ہے جانِ ملّت
وقت ہاتھوں سے گیا ایسے خطار کار ہوئے

کوئی اقبالؒ نہ تہران کا ہے کوئی علیؒ
کون سمجھائے کہ ہم دہر میں کیوں خوار ہوئے

ہم جو بگڑے تو زمانے کو بگاڑا ہم نے
ہم جو سوئے تو سبھی خواب سے بیدار ہوئے

ا۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں وسطِ ایشیا سے آئی ہوئی چند "مسلمان طالبات" کو دیکھ کر یہ اشعار لکھے ہیں کیونکہ یہ طالبات مارکسی فکر کی حامل ہو کر اپنے آپ کو ترقی پسند کہلوانا زیادہ پسند کرتی تھیں اور خدا کے وجود سے منکر۔ (حمید نسیم رفیع آبادی)

خوابِ غفلت میں ہے اِک مرگِ مسلسل کا سماں
آہ کیوں آہِ سحر گاہی سے بیزار ہوئے

اب زمانے کی قیادت بھی بہت مشکل ہے
ہم کچھ اس طرح سے رسوا سرِ بازار ہوئے

پڑھ لے گر پڑھ سکے قانونِ مکافاتِ ملل
ہم کہ محروم رہے اور وہ سرشار ہوئے

اپنے پرائے

تم سیما اور میں بادِ سحر کا مُنتظر
مجھ سے ملنے کو نہ آنا کیا تمہیں اچھا لگا؟

حُسن سے بھرپور گویا ایک لفظ عشق کو
داستانِ غم بنانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

امتحان تھے اور بھی دل کے، بھروسا انتظار
غفلتوں سے آزمانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

میرے دل میں کیا ہے یہ سمجھاؤں تم کو کس طرح؟
میرے غم پر مسکرانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

شہر کی مصروف سڑکوں پر میں آوارہ پھرا
میرا یوں پھرنا پھرانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

غیر دُشمن ہے تو اُس کا دوست بھی دُشمن ہوا
غیر کی باتوں میں آنا کیا تمہیں اچھا لگا؟

میں سراپا عشق ہوں اور وہ سراسر بوالہوس
آس پھر اُس سے لگانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

تن کا بھوکا روح کا اکرام کرسکتا نہیں
روح کو تن سے گنوانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

میں ازل ہی سے تمہارے واسطے بے چین تھا
اِس حقیقت کو بُھلانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

وقت جب بدلا ذرا اپنے پرائے ہو گئے
اس طرح آنکھیں چُرانا کیا تمہیں اچھا لگا؟

یادیں

میں نے یادوں کی قسم تجھ کو بُھلانا چاہا

پر بُھلانے سے تو آتی گئیں یادیں تیری

مجھ کو رہ رہ کے ہر اک سانس میں تڑپاتی ہیں

گنگناتی ہوئی آجاتی ہیں باتیں تیری

میں زمانے سے بھی لڑ کر تجھے حاصل کرتا

مجھ کو دیتیں جو اشارہ کبھی آنکھیں تیری

مجھ سے اب عشق کی ذِلّت نہیں دیکھی جاتی

مجھ سے اے شوخ یہ فرقت نہیں دیکھی جاتی

عشق کا سوز ہے کچھ اور محبت کا کچھ اور

عشق کے واسطے جیتا ہوں تو مرتا بھی ہوں

پہلے ہر آہ میں آتا تھا مزہ جینے کا

اب وہ صورت ہے کہ ہنستے ہوئے ڈرتا بھی ہوں

شوخ اداؤں کا میں گھائل ہوں، میری عادت ہے

زخم میں خود ہی لگا لیتا ہوں بھرتا بھی ہوں
تیری محفل کی رفاقت سے نہیں ہوں مایوس
تجھ سے ملنے کی دعائیں کرتا بھی ہوں

ہاں مگر جذبۂ صادق کا یہ انجام بھی ہے
عاشقی جس کے رگ و پے میں ہے بدنام بھی ہے
چند سکّوں کے عوض خُود کو جو نیلام کرے
اس کی دنیا بھی چمکتی ہے مگر مثلِ سراب
دل سے کیوں کھیلے وہ مستی جو لہو دل کردے
لالہ گو غم ہی نہ کر جائے کہیں رنگِ شراب
جس میں ناکامی ہو، رسوائی بھی، تنہائی بھی
حوصلے عشق کے ایسے بھی نہیں ہیں نایاب
دل کی تعظیم اِسی واسطے لازم ٹھہری
لوگ کہتے ہے کہ دل والے ہوئے ہیں کمیاب
دیکھ مجھ کو کہ خزاں میں بھی بہار آئے گی
اک نئی صبح تڑپ کے تجھے شرمائے گی

سکون ملے گا کہاں اَب تمہارے ملنے سے
سکونِ دل ہی نہیں ہو، سکون جاں بھی تم
تم اب سے رسمِ تجاہل سے کام مت لینا
کہ ایسی سعیٔ تغافل کا فائدہ کیا ہے؟
کہ تم کو اجنبی، انجان بن کے حاصل کیا
سکون ملے گا کہاں، اب تمہارے ملنے سے
نہ بن سکا میں تمہارے دھڑکتے دل کی صدا
تمہاری روح پہ میں فتح یاب ہو نہ سکا؟
تمہارے بامِ تصور کے وادریچوں سے
گزر سکا نہ میں چاہت کی روشنی بن کر
سکون ملے گا کہاں، اب تمہارے ملنے سے
مجھے سمجھ نہ سکے تم
میں کر نہ سکا تمہیں مائل بہ بہشت خیال

میں مسکرا نہ سکا لفرتوں کی تربت پر

تمہارے دل میں نہ پہونچی شگفتگی کی صبا

میں ڈر رہا ہوں کہ مانگوں جو پیار کی خیرات

کہیں نہ رد ہو سوال؟

کہیں اثر نہ دُعا کو شکست دے جائے

سکون ملے گا کہاں، اب تمہارے ملنے سے

میں جانتا ہوں کہ تم بھی بہت پریشان ہو

فلک کی سازشِ پیہم سے تم بھی نالاں ہو

کسی غریب کو ٹھکرا کے تم پشیماں ہو

زہے خلوص محبت، زہے ثبوتِ وفا

سکون ملے گا کہاں اب تمہارے ملنے سے

سکونِ دل ہی نہیں، ہو سکونِ جان بھی تم

دیوانگی

شوق نہیں دیوانہ پن کا
پھر بھی ہم ہیں دیوانے
کوئی ہم کو کیا جانے
عیش و فراغت مل نہ سکا تو کیا غم ہے؟
ہم ہیں مضطر اور پریشاں یہ کیا کم ہے
ہم تو ٹھہرے دیوانے
جنگل اپنا، صحرا اپنا
خشکی اپنی، دریا اپنا
دائیں بائیں اوپر نیچے گھٹتے پیکر، بڑھتے سایے
ہم ہیں عنقا، ہم ہیں شاہین
شمعِ عرفان کے پروانے
بکھرے ہوئے تسبیح کے دانے
کوئی ہم کو کیا جانے
ہم تو ٹھہرے دیوانے

☆

منزل زیست ہے درپیش

آنسو آنسو رواں ہے

غموں کا عجب کاروان ہے

رات نم اور بھیگا سحر کا سماں ہے!

چاند سرشار و شاداب سبزے کی شبنم کے قطروں پر بٹتا ہوا

میرے تارِ تخیّل پہ کٹتا ہوا

میری سدھ بدھ نہ جانے کہاں کھو گئی

چاندنی سو گئی

آنسوؤں کا ہے سورج چُھپا

بس اندھیرا، اندھیرا، اندھیرا، بہر شش جہت

جگنوؤں کے چمکدار نازک پروں سے

بارشِ حُسن یا قطرہ قطرہ ٹپکتی ہوئی روشنی

دل کے تہہ خانے میں ایک دھیما سا شور، ایک ہلکی گرج

اِک دھیمی چمک

دور صحرا میں راہب کی اک اَدھ جلی شمع کی مسکراتی کرن

پیچھے موسیٰؑ کے بنتِ شعیبؑ

منزل زِیست درپیش ہے

''ذرا تم ٹھہرو آتا ہوں میں!

نقش و آثارِ منزل کا لوں گا پتہ

واپس آیا تو آتش بدست آؤں گا!

کیا خبر یہ کلیمی نبوت کا آغاز ہو!

یہ مانا لفظ کا قاروں ہے شاعرِ مفلس
مگر یہ مانو کہ وہ
زباں کا جادو، بیاں کا طلسم جانتا ہے
وہ اس جہان کی تخلیق کرتا ہے
جو بس خیال میں ہے
وہ شہر شہر کا آشوب، دشت کا آسیب
سمو سمو کے سجاتا ہے اپنے شعروں کو
مگر وہ فکر سے عاری
وہ سوزِ دل سے تہی
نقیبِ بے عملی!
فقط طلسم ہے، جادو ہے، خودنمائی ہے
نہ افتخار ہے تقدیسِ زندگانی کا
نہ انکسار ہے سجدے میں بندگی کے لئے
جنونِ دل کا ہر اک ادّعا ادھورا ہے

یہ شاعری تو نہیں سعیِ دلبری بھی نہیں
سکندری بھی نہیں ہے قلندری بھی نہیں
یہ خودسری ہے سراسر، سخنوری بھی نہیں
پیامِ حق نہیں، جزوِ پیمبری بھی نہیں!

وفا

بس ایک موجِ بلا

پیاس ہے، طلب ہے وفا

یہ جادۂ جاں بھی

یہ منزل دل بھی

یہی ہے تیشۂ فرہاد کی نہاں تابش

یہی ہے وامق وعذرا کا باہمی پیماں

یہی ہے پیکرِ مجنوں کی لازوال تڑپ

اسی سے جذبوں میں لے، ذوقِ زندگی کا نکھار

مچلتے نیل کے ساحل پر اک مسافر کا

وہ انتظارِ حسین

وہ اعتبارِ جواں

بس ایک لفظ وفا

وہ بے کنار سمندر، اتھاہ گہرائی

وہ غوطہ زن سرِ موجِ ہجوم تنہائی

بس ایک لفظِ وفا

وفا ہی سینۂ مادر میں کسمَساتی ہے

وفا ہی دودھ کی رنگت میں مسکراتی ہے

وفا ہی باپ کے ماتھے پہ رنگ لاتی ہے

وفا ہی خون پسینہ میں جگمگاتی ہے

وفا...... ہماری تمہاری خجستہ قوموں کی

وفا...... وفا ہی تو صورتِ گر مقدر ہے۔

جدائی

یہ میں نے مانا
جدائی بھلی نہیں ہوتی
مگر جدائی تو لازم ہے ہر کسی کے لئے
اندھیرا چاہیے کچھ تیز روشنی کے لئے
کبھی حیات سسکتی ہے
روٹھ جاتی ہے
کبھی اجل کئی اپنوں کو چھین لیتی ہے
کبھی تو آرزو دل سے فراغ پاتی ہے
کبھی تو حسرتِ فردا میں جان جاتی ہے
یہ میں نے مانا
جدائی بھلی نہیں ہوتی
مگر جدائی تو لازم ہے ہر کسی کے لئے
ہر ایک راہ میں بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ
تمام نقشِ قدم ساتھ چھوڑ دیتے ہیں

ہر ایک موڑ پہ، منزل پہ تیزگام ہمسفر
بُھلا کے قول وقسم ساتھ چھوڑ دیتے ہیں
پھر اس کے بعد
کسی دشت میں بیاباں میں
وہ اپنے آپ سے ہو جاتے ہیں جُدا۔ شاید
یہ میں نے مانا
جدائی بھلی نہیں ہوتی
مگر جدائی تو لازم ہے ہر کسی کے لئے!

مصنف کے بارے میں

حمیداللہ مرازی المعروف حمید نسیم رفیع آبادی ۱۹۵۸ء میں دوآبگاہ رفیع آباد میں خواجہ غلام احمد مرازی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دوآبگاہ ہائی اسکول سے حاصل کی اور اس کے بعد سوپور ڈگری کالج سے ۱۹۷۸ء میں عربی اور اُردو مضامین کے ساتھ بی۔اے پاس کیا۔ ۱۹۸۲ء سے لیکر ۱۹۸۹ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد سے مختلف تحقیقی اور تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد نسیم صاحب کشمیر یونیورسٹی کے شاہ ہمدان انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز میں لیکچرار تعینات ہوئے۔ ۱۹۹۷ء میں وہیں پر ریڈر ہوئے اور ۲۰۰۱ء کو صدر شعبہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ نسیم رفیع آبادی نے اسلامیات، مسلم فلسفہ، تواریخ کشمیر اور اسلامی تاریخ پر ۲۲ سے زیادہ محققانہ تصانیف لکھی ہیں۔ نسیم رفیع آبادی نے ۱۹۹۶ء میں اسلامیہ جمہوریہ ایران کا سفر بھی کیا ہے۔ موصوف کو ۱۹۹۸ء میں امریکن بیوگرافیکل انسٹی ٹیوٹ نے بورڈ آف ریسرچ کا اعزازی ممبر مقرر کیا اور ۲۰۰۲ء میں موصوف کو ممبئی کے زرشست کالج سے اعزازی ڈپلوما اور توصیفی اسناد سے نوازا گیا۔ حمید نسیم نے ''مسلم فلسفہ، سائنس اور تصوف'' پر ایک جامع کتاب لکھی۔ جس کے آج تک دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف کی ہجرت پر کتاب کے دو اُردو اور ایک انگریزی ایڈیشن دیوبند اور دہلی سے بالترتیب اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ چنانچہ حمید نسیم نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی سے مغربی فلسفہ کے علاوہ اُردو صحافت میں توسیعی ڈپلوما بھی حاصل کیا۔ اس لئے نسیم صاحب نے اُردو اور انگریزی صحافت سے بھی اپنا تعلق استوار رکھا ہے۔